ماہنامہ جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - July 2021 - Registered No. CPL-13

(قیمت 10 روپے)

جلد نمبر 28 ...... شمارہ نمبر 7...... جولائی 2021

ہمارے دستِ ہوس کی دستک تمھاری بستی پہ ہو چکی ہے
کواڑ کھولو، اُٹھاؤ گٹھڑی، یہاں سے نکلو — توقیر گیلانی

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ءکو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1

تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2

ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3

ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4

کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5

کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6

ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7

قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8

ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9

کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلا وطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10

ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11

(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12

کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13

(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14

(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15

(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16

(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17

(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18

ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19

ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20

(1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21

(۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22

معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشو نما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23

(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24

ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25

(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہءقدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26

(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو نما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27

(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں

دفعہ - 28

ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29

(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو ونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30

اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

فہرست

پریس ریلیزیں 03

کچی بستی 07

2020 کے دوران ملک کے پس ماندہ صوبے میں
پس ماندہ طبقات کے حقوق کی صورت حال 08

میڈیا کی آزادی اور آزادی اظہار رائے
کو یقینی بنایا جائے 10

پارلیمانی فساد اور وکلاء اور صحافیوں کی دہائی 12

کیا پاکستان کو ایسی شرم وحیا کی ضرورت ہے؟ 13

یو اے ای: پاکستانی شیعہ برادری
کو بے جا طور پر نشانہ بنا رہا ہے 14

خودکشی کا بڑھتا ہوا رجحان 17

بائیں بازو کی تحریک کے دیرینہ کارکن
حنیف گورایا بھی ہم سے بچھڑ گئے 18

2020 میں انسانی حقوق کی صورتحال
افسوسناک رہی، ایچ آر سی پی 19

خوف اور سنسرشپ کا خاتمہ ضروری ہے': ایچ آر سی پی کی جانب سے صحافت کی آزادی پر پالیسی بیان کا اجراء

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) نے خوف، تشدد اور سنسرشپ کی بڑھتی ہوئی فضا جس نے ملک میں اظہارِ رائے کی آزادی کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، پر شدید تشویش ظاہر کی ہے۔ رپورٹر اسد علی طور پر مبینہ طور پر اس کے کام کی وجہ سے نامعلوم افراد کا حملہ، اور سول سوسائٹی کے ایک احتجاجی مظاہرے کے دوران اسٹیبلشمنٹ پر تنقید کے بعد اینکر حامد میر کے پروگرام پر پابندی ملک میں غیراعلانیہ سنسرشپ اور پرتشدد انتقام کی سوچی سمجھی پالیسی کی عکاسی کرتی ہے۔

ایچ آر سی پی کی جانب سے پاکستان میں صحافت کی آزادی پر جاری ہونے والے پالیسی بیان، نیز پالیسی بیان کے لیے ہونے والی گفتگو میں حصہ لینے والے صحافیوں کی متفقہ رائے کے مطابق، معلومات پر ریاستی و غیر ریاستی عناصر کی مضبوط گرفت کی بدولت اب یہ واضح ہوگیا ہے کہ ہر وہ فرد سزا پائے گا جس نے مخصوص من پسند بیانیے کو چیلنج کرنے کی جسارت کی۔

یہ دستاویز الیکٹرانک جرائم کی روک تھام کے قانون (پیکا) 2016 کے شدید خلاف ہے جس کا ناجائز استعمال صحافیوں کو زبان بندی پر مجبور کر رہا ہے، اور مطالبہ کرتی ہے کہ پیمرا حکومت کا ذیلی ادارہ بننے کی بجائے ایک خودمختار ادارے کے طور پر کام کرے۔ یہ یقینی بنانا بھی انتہائی ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کے ساتھ وابستہ افراد کو ان کے مالکان اور ریاستی اداروں سے تحفظ فراہم کیا جائے، خاص طور پر بلوچستان اور کے پی میں جہاں صحافی حقائق کی چھان بین کرنے اور انہیں سامنے لانے میں بہت زیادہ خوف محسوس کرتے ہیں۔ جہاں صحافی اپنے فریضے کی انجام دہی کے دوران قتل کر دیے جائیں، وہاں ایف آئی آرز درج ہونی چاہییں، مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے اور متاثرین کے اہلِ خانہ کو معاوضہ دیا جائے۔

ایسے شعبے جس میں خطرات کے امکانات کافی زیادہ ہوتے ہیں، میں حفاظتی انتظامات کا نہ ہونا بھی ناقابلِ قبول امر ہے۔ تصادم زدہ علاقوں جیسے کہ بلوچستان اور کے پی کے مختلف حصوں سے رپورٹنگ کرنے والے صحافیوں کو تحفظ، ابتدائی طبی امداد، جہاں ضروری ہو گولیوں سے محفوظ رکھنے والی جیکٹیں فراہم کی جائیں اور ان کی زندگی کا بیمہ کروایا جائے۔

اس کے علاوہ، ذرائع ابلاغ کے مالکان اور انتظامیہ کو یہ یقینی بنانے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا کہ یہ شعبہ نہ صرف ہراسانی اور حملوں سے محفوظ و آزاد ہو سکے بلکہ روزگار کا منصفانہ اور قابلِ بھروسہ ذریعہ بھی بن سکے۔ سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ سے وابستہ تمام افراد کو بروقت تنخواہیں ادا کی جائیں اور تنخواہوں میں کٹوتیاں واپس لی جائیں۔ اسلام آباد میں واقع میڈیا ٹربیونل کو ضلعی سطح تک وسعت دی جائے تاکہ تنخواہوں اور دیگر واجبات کی ادائیگی یقینی ہو سکے۔ حکومت کو ان سوشل میڈیا اکاؤنٹس کا سراغ لگانے میں انتہائی سرگرمی کا مظاہرہ کرنا ہوگا جو صحافیوں، خاص طور پر خواتین صحافیوں کو ہراساں کرنے اور ڈرانے دھمکانے میں ملوث ہیں۔

صحافت جرم نہیں ہے۔ اختلافِ رائے جرم نہیں ہے۔ جیسا کہ ایچ آر سی پی کی چیئرپرسن حنا جیلانی نے آج منعقد ہونے والی ایک پریس ریلیز کے موقع پر کہا کہ، 'اگر ریاست اور زیادہ مضبوط بننا چاہتی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ تحفظ دینے کی اپنی استعداد مضبوط کرے نہ کہ کنٹرول کرنے کی استعداد۔'

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ یکم جون 2021]

پنجاب میں 2020 کے دوران عورتیں اور مذہبی اقلیتیں مشکلات میں گھری رہیں

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی سالانہ رپورٹ، *2020 میں انسانی حقوق کی صورتِ حال* میں وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ کووڈ 19 نے بیماریوں سے نمٹنے کی تیاری اور سہولیات تک رسائی، دونوں میدانوں میں شعبہ صحت کی خامیوں کو کس حد تک بے نقاب کیا ہے۔ پنجاب بھی ان مسائل سے پاک نہیں تھا: ابتداء میں معیاری قواعد وضوابط کے اطلاق میں غفلت نے عوام کی سلامتی کو خطرات سے دوچار کیا۔ خاص طور پر، پنجاب کی جیلوں میں حالات خطرناک نہج تک پہنچ گئے تھے جہاں گنجائش سے کہیں زیادہ قیدیوں کی موجودگی اور ناقص حفظانِ صحت نے پہلے سے ہی غیر محفوظ قیدیوں کے لیے صورت حالِ اور زیادہ گھمبیر بنا دی تھی۔

زیرِ التوا مقدمات کے انبار سے نمٹنے کے لیے کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہ ہو سکی۔ دسمبر 2020 کے اختتام تک، عدالت عالیہ

لاہور میں 188,176 جبکہ ضلعی عدالتوں میں 1,372,908 مقدمات تصفیہ طلب تھے۔ ایچ آر سی پی کے مشاہدے کے مطابق، سال کے دوران، 91 مقدمات میں 148 افراد کو سزائے موت سنائی گئی ہے۔ تاہم حوصلہ افزاء پیش رفت یہ ہے کہ کسی فرد کو پھانسی نہیں دی گئی۔

پنجاب درسی کتب و نصابی ترمیمی بل اور پنجاب تحفظ بنیادِ اسلام بل 2020 کی منظوری عوام کے غم و غصّے کا نشانہ بنی جن کا کہنا تھا کہ یہ قوانین مذہب کے تحفظ کی آڑ میں اظہار، فکر اور عقیدے کی آزادیوں پر مزید پابندیاں لگانے کی کوششیں ہیں۔

پنجاب میں قانون کا نفاذ پولیس فورس میں لگاتار تبادلوں اور اندرونی کشمکش کا شکار رہا، جبکہ قومی احتساب بیورو جیسے ادارے سیاسی بنیادوں پر گرفتاریاں کرنے پر ہدف تنقید بنے رہے۔

سب سے زیادہ مسائل کا سامنا فیکٹری مزدوروں اور دہاڑی دار محنت کشوں کو کرنا پڑا۔ لاک ڈاؤن کے دوران ہزاروں مزدور ملازمت سے نکال دیے گئے۔ آن لائن کلاسز صرف ان علاقوں کے لیے مفید ثابت ہوئیں جہاں انٹرنیٹ سروس کی فراہمی کا مستحکم نظام موجود تھا۔ اس تکلیف دہ حقیقت نے طالبعلموں کو احتجاج کرنے پر مجبور کیا۔ البتہ، ایسے عوامی اجتماعات کو محدود کرنے والی کاروائیاں حکام کی متلوّن مزاجی کی غماز تھیں، اور سیاسی اجتماعات کو مذہبی اجتماعات یا عام شہریوں کے احتجاجی مظاہروں کی نسبت زیادہ پابندیوں کا سامنا تھا۔

بچوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات بلا روک ٹوک جاری رہے۔ ملک بھر سے رپورٹ ہونے والے ایسے کل واقعات میں سے 57 فیصد پنجاب سے رپورٹ ہوئے۔ ایچ آر سی پی نے گھریلو تشدد اور آن لائن تشدد کے واقعات بھی پہلے سے زیادہ قلم بند کیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وباء کے دوران عورتیں قدرے زیادہ غیر محفوظ ہو گئی تھیں۔ مذہبی اقلیتوں کو پورا سال امتیازی سلوک کا سامنا رہا۔ مذہب کی بے حرمتی کے الزامات، مذہب کی جبری تبدیلی، اور خاص طور پر جنوبی پنجاب میں کم آمدنی والے ہندوؤں کے گھروں کی مسماری کی اطلاعات منظرِ عام پر آتی رہیں۔ پولیس کے کوائف سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف پنجاب میں مذہب کی بے حرمتی کے 487 مقدمات درج ہوئے۔

مکمل رپورٹ پر رسائی کے لیے

http://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/20
21/05/State-of-Human-Rights-in-2020-20210503-REPORT.pdf

وزٹ کریں۔

[پریس ریلیز۔ملتان۔ 17 جون 2021]

کوویڈ 19 پر سندھ حکومت کا ردِ عمل قابلِ تعریف تھا، مگر 2020 کے دوران انسانی حقوق کی صورتِ حال پریشان کن رہی

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی سالانہ رپورٹ 2020 میں انسانی حقوق کی صورتِ حال میں بتایا گیا ہے کہ سال کے اختتام تک، ملک بھر میں سے کوویڈ 19 کے مریضوں اور اموات کی سب سے زیادہ اطلاعات سندھ سے رپورٹ ہوئیں۔ سال کے اختتام پر، سندھ میں کوویڈ 19 سے مرنے والوں کی تعداد 3,560 تھی۔ صوبائی حکومت نے ملکی لاک ڈاؤن کے اطلاق سے قبل، وباء کے ابتدائی مرحلے کے دوران، اسکول بند کر کے اور عوامی اجتماعات پر عارضی پابندی عائد کر کے وباء کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے انتہائی مستعدی کا مظاہرہ کیا۔

سندھ کوویڈ 19 ایمرجنسی ریلیف آرڈیننس 2020 کی منظوری اس لحاظ سے ایک خوش آئند پیش رفت تھی کہ اس نے مزدوروں، طالبعلموں اور مزارعوں کو ریلیف پہنچایا۔ البتہ، یہ اقدامات کمزور نفاذ سے شدید متاثر ہوئے۔ مزدوروں کی تنظیموں نے مزدوروں کی وسیع پیمانے پر چھانٹیوں کی شکایت کی، خاص طور پر نجی شعبے میں۔ پاکستان اسٹیل ملز نے بھی مزدوروں کی چھانٹی کے اس عمل کے دوران 4,500 سے زائد مزدوروں کو ملازمت سے نکالا۔

ایچ آر سی پی کے مشاہدے میں آیا ہے کہ مقامی حکومتوں کی چار سالہ مدت 30 اگست کو ختم ہو رہی ہے مگر صوبائی حکومت نے 2020 کے اختتام تک، مقامی انتخابات کی نئی تاریخ کا اعلان نہیں کیا تھا۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ 2020 کے دوران، صوبے میں 121 قیدیوں کو سزائے موت سنائی گئی۔ البتہ، حوصلہ افزاء بات یہ ہے کہ کسی بھی قیدی کو تختہ دار پر نہیں لٹکایا گیا۔

قانون کا نفاذ غیر مستحکم رہا جس کا ایک سبب نئے پولیس چیف کی تقرری پر وفاقی و صوبائی حکومت کے درمیان طویل کشمکش تھی جس سے شعبہ پولیس میں غیر یقینی کی صورتِ حال پیدا ہوئی۔ اکتوبر میں سیکیورٹی فورسز کے ہاتھوں سندھ انسپکٹر جنرل کے اغواء نے حزبِ اختلاف کے رہنماء کی گرفتاری کے لیے پولیس پر بے جا سیاسی دباؤ کے سنگین خدشات کو جنم دیا۔

وفاقی حکومت نے اجتماع کی آزادی کے حق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، مئی میں جیے سندھ قومی محاذ (آریسر) سمیت تین سندھی قوم پرست سیاسی جماعتوں پر باقاعدہ پابندی عائد کر دی۔ صوبے میں جبری گمشدگیوں میں بھی تشویشناک حد تک اضافہ دیکھا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق، 2020 کے دوران سندھ میں کل 127 افراد لاپتہ ہوئے جن میں سے 112 بازیاب ہو گئے تھے مگر 15، سال کے اختتام تک، اب بھی لاپتہ تھے۔ ایک معروف کیس سیاسی کارکن سارنگ جویو کا تھا جنہیں ان کی جبری گمشدگی کے دوران مبینہ طور پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

تعلیم تک بچوں کی رسائی غیر تسلّی بخش تھی۔ سندھ کے وزیرِ تعلیم سعید غنی کا کہنا تھا کہ لگ بھگ 35 لاکھ بچے سکول سے باہر تھے۔ غیرت کے نام پر قتل بلا روک ٹوک جاری رہے: ایچ آر سی پی نے صرف سندھ میں عزت کے نام پر 197 جرائم قلم بند کیے۔ متاثرین میں 79 مرد اور 136 عورتیں تھیں۔ صوبے میں ہندو لڑکیوں کے مذہب کی جبری تبدیلی کے کم از کم چھ واقعات رپورٹ ہوئے۔

مکمل رپورٹ پر رسائی کے لیے

http://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2021
/05/State-of-Human-Rights-in-2020-20210
503-REPORT.pdf وزٹ کریں۔

[پریس ریلیز۔حیدر آباد۔ 21 جون 2021]

2020 میں این سی ایچ آر، این سی ایس ڈبلیو غیر فعال رہے

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی سالانہ رپورٹ 2020 میں انسانی حقوق کی صورتِ حال میں یہ افسوسناک حقیقت سامنے آئی ہے کہ کوویڈ 19 پر حکومت کا ابتدائی ردِ عمل غیر شفاف اور غیر مؤثر تھا: سخت لاک ڈاؤن کی اشد ضرورت کے وقت اس کے اطلاق سے گریز کیا گیا، ہسپتالوں میں کیسز کی بہتات سے نمٹنے کی استعداد نہیں تھی، اور مساجد میں عملی قواعد و ضوابط کی عدم پاسداری کے مسئلے کو حل نہیں کیا گیا تھا۔ وباء کے بحران پر قابو پانے کے لیے نیشنل کوآرڈینیشن کمیٹی اور نیشنل کمانڈ اینڈ آپریشن سنٹر کا قیام پارلیمان یا کابینہ کی منظوری کے بغیر کیا گیا۔ البتہ، وفاقی حکومت کے احساس پروگرام کے تحت رقم کی تقسیم ان لوگوں کے لیے بڑی حوصلہ افزاء پیش رفت ثابت ہوئی جنہیں اس وقت سماجی تحفظ کے کسی مؤثر بندوبست کی شدید ضرورت تھی۔

صدارتی حکم نامے باقاعدہ ایک تواتر کے ساتھ جاری ہوتے رہے۔ حکومت مسودہ قانون کو پارلیمان میں پیش کرنے اور مسودے پر مفصّل بحث کرنے ایسے درست آئینی طریقہ کار سے انحراف کرتی رہی۔ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق اور قومی کمیشن برائے حقوقِ نسواں ایسے انسانی حقوق

کے اداروں کا سارا سال غیر فعال رہنا لمحہ فکریہ ہے۔ مثبت پیش رفت یہ ہے کہ قومی اسمبلی نے انسانی حقوق کے کئی اہم قوانین منظور کیے مثال کے طور پر زینب الرٹ، ریسپانس اینڈ ریکوری ایکٹ اور معذوری کے شکار افراد کے حقوق کا آئی سی ٹی ایکٹ۔ وزارت برائے انسانی حقوق نے وزیراعظم کو اپنی رپورٹ میں جیلوں میں اصلاحات کے لیے سفارشات بھی پیش کیں۔

اظہار اور اجتماع کی آزادی بھی خطرات میں گھری رہی۔ 2020 میں اختلاف رائے کے لیے فضا مزید سکڑتی دکھائی دی۔ الیکٹرانک، پرنٹ اور سوشل میڈیا پر نئی قدغنیں لگانے کی حکومتی کوشش، قومی احتساب بیورو کی طرف سے حزبِ اختلاف کے سیاست دانوں پر مقدمات جبکہ حکمران جماعت کی زیادتیوں سے چشم پوشی اور مخصوص مروجہ خیالات کے مخالف کے طور پر پہچانے جانے والے جسٹس قاضی فائز عیسیٰ کے خلاف صدارتی ریفرنس سے یہ حقیقت بالکل عیاں تھی۔

صحافیوں اور ذرائع ابلاغ سے وابستہ افراد خاص طور پر دباؤ کا نشانہ بنتے رہے۔ پاکستان کے سب سے بڑے میڈیا گروپ کے مالک میر شکیل الرحمان کو قومی احتساب بیورو نے 35 سالہ پرانے مقدمے میں جیل میں بند رکھا اور سینیئر صحافی مطیع اللہ جان کو دن دہاڑے اغواء کیا گیا، اور عوام نے شدید غم وغصے کا اظہار کیا تو پھر 12 گھنٹوں بعد انہیں چھوڑ دیا گیا۔ عورت مارچ کولیکٹو کو بھی مختلف حلقوں سے شدید مخالفت اور ہراسانی کا سامنا کرنا پڑا۔ عورت مارچ، اسلام آباد کے شرکاء کو دورانِ ریلی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

پسے ہوئے طبقوں جیسے کہ بچوں، عورتوں اور مذہبی اقلیتوں کے خلاف جرائم کا افسوسناک سلسلہ بلا روک ٹوک جاری رہا۔ انکوائری کمیشن برائے جبری گمشدگان، عالمی کمیشن برائے ماہرین قانون (آئی سی جے) کی ملامت کا نشانہ بنا۔ آئی سی جے نے جبری گمشدگیوں میں ملوث مجرموں کے محاسبے میں انکوائری کمیشن کی ناکامی پر اسے ہدفِ تنقید بنایا۔

[پریس ریلیز۔اسلام آباد۔23 جون 2021]

سابق فاٹا کو مرکزی دھارے میں لانے کا وعدہ 2020 میں پورا نہیں کیا گیا

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی سالانہ رپورٹ 2020 میں انسانی حقوق کی صورتِ حال میں خیبر پختونخوا (کے پی) میں کووِڈ 19 کے تباہ کن اثرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صوبے میں کووِڈ کے 58,702 کیسز اور 1,649 مریضوں کی اموات قلم بند ہوئیں۔ بہت کم تعداد میں لوگوں کے کووِڈ 19 معائنے ہوئے جس سے صورتِ حال اور زیادہ گھمبیر ہوئی۔ سال کے اختتام تک، ساڑھے تین کروڑ باشندوں میں سے نصف سے بھی کم کا معائنہ ہوا تھا۔ کووِڈ سے متعلقہ پابندیوں نے نقل وحرکت اور انجمن سازی کی آزادی کو بھی بہت زیادہ متاثر کیا۔

کے پی کی اسمبلی نے 30 سے زائد قوانین منظور کیے جن میں سے کم از کم 17 کا انسانی حقوق سے براہ راست تعلق تھا۔ طویل عرصہ سے التوا کا شکار ہونے کے باوجود، 2020 میں بھی مقامی حکومتوں کے انتخابات منعقد نہ ہو سکے۔ اس کا مقامی ترقی پر بہت برا اثر پڑا کیونکہ حکومت 2020/2019 میں مقامی حکومتوں کو مختص ہونے والے 46 ارب روپوں میں سے 43 ارب روپوں کو استعمال نہیں کر سکی۔ سابق قبائلی علاقہ جات جو پہلے وفاق کے زیرِ انتظام تھے، کو صوبہ کے پی کے مرکزی دھارے میں لانے کا وعدہ بھی پورا نہ ہو سکا کیونکہ قبائلی عشرہ حکمت عملی کا نفاذ بہت غیر مؤثر تھا۔ ترقیاتی مد میں 74 ارب روپے کا وعدہ کیا گیا تھا مگر مختص صرف 37 ارب روپے کیے گئے۔

2020 میں جیلیں گنجائش سے زیادہ قیدیوں سے بھری رہیں۔ 11,000 سے زائد قیدیوں میں سے لگ بھگ 8,000 قیدی ایسے تھے جن کے مقدمات کی سماعت التوا کا شکار تھی۔ عدالتوں میں پڑے مقدمات کے انبار سے نمٹنے کے لیے بہت کم پیش رفت ہوئی۔ 2020 کے اختتام پر، عدالتِ عالیہ پشاور میں 41,042 جبکہ ضلعی عدالتوں میں 230,869 مقدمات زیرِ التوا تھے۔ ایک خوش آئند پیش رفت یہ ہوئی کہ عدالتِ عالیہ پشاور نے ایسے تقریباً 200 افراد کو رہا کرنے کے احکام صادر کیا جنہیں فوجی عدالت نے دہشت گردی سے متعلق مقدمات میں سزا سنائی تھی۔ عدالتِ عالیہ پشاور کے اس فیصلے نے ہمارے نظامِ انصاف پر انصاف کے قتل کی فردِ جرم عائد کی ہے۔ اس کے علاوہ، سال کے دوران، کسی فرد کو پھانسی نہیں لگی، اگرچہ کم از کم ایک فرد کو سزائے موت سنائی گئی۔

صوبے میں امن عامہ کی صورت حال غیر مستحکم رہی۔ دہشت گردی کے حملے، مذہبی اقلیتوں اور خواجہ سراؤں پر حملے، عورتوں کی ہراسانی اور بچوں کے ساتھ زیادتی کی اطلاعات پورا سال سامنے آتی رہیں۔ بہت کم مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا گیا جس سے جرم کے خلاف قانونی کارروائی کے فقدان کی نشاندہی ہوتی ہے۔ 2020 کے اختتام تک، جبری گمشدگیوں پر انکوائری کمیشن نے 1,335 لاپتہ افراد کا سراغ لگایا تھا۔ مجموعی طور پر، 2011 میں اس کے آغاز سے لے کر اب تک، کمیشن نے 713 افراد کا حراستی مراکز اور 93 کا جیلوں میں سراغ لگایا مگر یہ اعداد وشمار صوبے میں جبری گمشدگیوں کی شدت کو پوری طرح واضح نہیں کرتے کیونکہ حقیقی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوسکتی ہے۔

مکمل رپورٹ پر آن لائن رسائی کے لیے درج ذیل لنک پر کلک کریں:

http://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2021/05/State-of-Human-Rights-in-2020-20210503-REPORT.pdf

وزیرِاعظم کو ریپ کو خواتین کے لباس سے منسلک کرنے کے اپنے بیان پر معافی مانگنی چاہیے

آج ہونے والی ایک پریس کانفرنس میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی)، ویمنز ایکشن فورم، تحریکِ نسواں، عورت مارچ، پاکستان انسٹی ٹیوٹ فار لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ اور دیگر سمیت سول سوسائٹی کی 16 تنظیموں نے وزیرِاعظم عمران خان کے اس بیان کی شدید مذمت کی ہے جس میں انہوں نے ریپ کے واقعات کو خواتین کے لباس سے منسلک کیا تھا۔

ایسا دوسری مرتبہ ہوا ہے کہ وزیرِ اعظم نے ریپ کو 'لبھائے جانے' کے فعل تک محدود کر دیا ہے۔ یہ بات خطرناک حد تک سہل پسندانہ ہے اور یہ عوام میں پائے جانے والے اس عام تصور کی تائید کرتی ہے کہ خواتین 'دانستہ' متاثرین اور مرد 'بے یارو مددگار' جارحیت پسند ہیں۔ ایک ایسی حکومت جو خواتین اور غیر محفوظ گروہوں کے حقوق کے تحفظ کا دعویٰ کرتی ہے، کے سربراہ کا اپنی اس رائے پر قائم رہنا قطعی نا قابلِ معافی ہے۔ یہ بات بھی اتنی ہی مایوس کن ہے کہ حکمران جماعت کی کئی خواتین اراکین نے وزیرِاعظم کا دفاع کیا ہے اور ان کے بیان کو بے معنی اور غیر منطقی اصطلاحات میں جائز قرار دیا ہے۔

اگر خبروں پر سرسری سی ہی نظر ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جنسی زیادتی کے متاثرین میں خواتین، لڑکیاں، مرد، لڑکے اور خواجہ سرا سبھی شامل ہوسکتے ہیں اور یہ کہ ایسے واقعات سکولوں، کام کی جگہوں، گھروں اور عوامی مقامات پر پیش آسکتے ہیں۔ جنسی زیادتی کا تعلق جنس، عمر اور لباس سے زیادہ دن کے وقت اور متاثرہ فرد اور مجرم کے مابین رشتے سے ہے۔ وزیرِاعظم کو یہ بات سمجھنا ہوگی کہ

ریپ طاقت کا فعل ہے نہ کہ جنسی ضبط کی کمی کا۔

ہم وزیرِ اعظم سے فوری معافی اور اس یقین دہانی کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ریپ کے بارے میں ان کا انتہائی غلط تصور پاکستان میں اس سنگین اور وسیع پیمانے پر جاری جرم پر قابو پانے کی حکومتی کوششوں میں رکاوٹ کا باعث نہیں بنے گا۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، جوائنٹ ایکشن کمیٹی، سیاسی عورت تحریک، ویمنز ایکشن فورم، کراچی، سندھ کمیشن برائے حقوقِ نسواں، تحریکِ نسواں، عورت مارچ، پاکستان انسٹی ٹیوٹ فار لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ، ادارہ امن و ترقی، عورت فاؤنڈیشن، ویمن ڈیموکریٹک فرنٹ، ہوم بیسڈ ویمن ورکرز فیڈریشن، ڈیموکریٹک یوتھ فرنٹ، سندھو واس فاؤنڈیشن، جینڈر اِنٹریکٹیو الائنس، بیت المومنین چرچ، اور فرسٹ چرچ فار یونک کے ایماء پر۔

[پریس ریلیز۔ کراچی۔ 24 جون 2021]

2020 میں جی بی کی حیثیت میں کوئی ردّوبدل نہیں ہوا

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی سالانہ رپورٹ 2020 میں انسانی حقوق کی صورت حال میں اس افسوس ناک حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ گلگت بلتستان کو پاکستان کا آئینی حصہ بنانے کے دیرینہ مطالبے کے باوجود، یہ علاقہ عملی اعتبار سے ابھی تک ایک انتظامی یونٹ ہے، اس کے شہری پاکستان کی قومی اسمبلی، سینٹ اور دیگر پالیسی ساز اداروں میں سیاسی نمائندگی کے حق سے محروم ہیں۔ اس کے علاوہ، جی بی کا عدالتی نظام ریاست کے انتظامی ستون کے زیرِ کنٹرول رہا اور تقرریاں سیاسی بنیادوں پر ہوتی رہیں۔

پاکستان کے دیگر علاقوں کی طرح، جی بی پر بھی کوویڈ 19 کے پھیلاؤ کے شدید اثرات مرتب ہوئے جس کے سبب دہاڑی دار مزدور بیروزگار ہوئے، تمام سطحوں پر تعلیمی سلسلہ معطل رہا، اور صحت کے نظام پر شدید دباؤ پڑا۔

2020 میں ایک بنیادی پیش رفت اکتوبر میں ہنزہ میں سیاسی قیدیوں کے اہلِ خانہ اور اسیرانِ ہنزہ رہائی کمیٹی کا مشترکہ دھرنا تھا جس کے بعد نگران حکومت اور کمیٹی کے رہنماء اس بات پر متفق ہوئے کہ سیاسی قیدیوں کو ضمانت پر رہا کیا جائے گا۔ بعدازاں، ایسے تمام قیدی، بشمول عرصہ دراز سے قید عوامی ورکرز پارٹی (اے ڈبلیو پی) کے بابا جان کو رہائی ملی۔

انسدادِ دہشت گردی قوانین کا ناجائز استعمال، ایک ایسا افسوس ناک رجحان جس کا ایچ آر سی پی کئی برسوں سے مشاہدہ کر رہا ہے، 2020 میں بھی جاری وساری رہا جس کے باعث انسدادِ دہشت گردی ایکٹ 1997 کے چوتھے شیڈول کے تحت انسانی حقوق کے کارکنوں، صحافیوں، سیاسی ورکروں، اور قوم پرستوں کی کڑی نگرانی کی جاتی رہی۔ انسانی حقوق کے کارکن یہ شکایت کرتے رہے کہ چوتھے شیڈول کو سیاسی اختلاف کا گلا گھونٹنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے ایک معروف کیس قوم پرست سیاسی کارکن عرفان حیدر جون کا ہے جنہوں نے پشتون تحفظ موومنٹ کے رہنما اور قومی اسمبلی کے رکن محسن داوڑ کی میزبانی کی تو اس کے بعد مقامی انتظامیہ نے انہیں سوشل میڈیا کے استعمال اور سیاسی سرگرمیوں سے متنبہ کیا۔ ایچ آر سی پی کی رپورٹ میں یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ 2020 میں مقامی صحافیوں پر ریاستی و غیر ریاستی عناصر کی دھمکیوں اور حملوں میں اضافہ ہوا ہے۔

جی بی کی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات 15 نومبر کو منعقد ہوئے۔ اگرچہ پولنگ کا عمل بڑی حد تک پرامن اور باضابطہ تھا، مگر ایچ آر سی پی کو یہ جان کر تشویش ہوئی کہ آزاد انتخابی مشاہدہ کار بشمول چار کیسز میں کمیشن کے مشاہدہ کاروں کی اپنی ٹیم کو گلگت شہر میں ووٹوں کے گنتی کے وقت پولنگ اسٹیشنوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ پاکستان تحریک انصاف نے جی بی میں نئی صوبائی حکومت تشکیل دی۔

البتہ، ایچ آر سی پی کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 2009 میں گذشتہ انتخابات کے بعد سے مقامی انتخابات کی غیر موجودگی کی وجہ سے نچلی سطح پر قیادت بڑی عجلت سے نمودار ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 2020 میں جی بی کی قانون ساز اسمبلی کے انتخاب میں امیدوار اتنی بڑی تعداد میں سامنے آئے۔

[پریس ریلیز۔ گلگت۔ 26 جون 2021]

جہدِ حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کرکے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کرکے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوانِ جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدِحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہدِ حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

کچی بستی

توقیر گیلانی

یہاں سے نکلو
یہاں سے نکلیں.. کہاں پہ جائیں؟
کہیں بھی جاؤ، یہاں سے نکلو
مگر ہمارے تو گھر یہی ہیں......!
تمہارے گھر تھے، پر اب نہیں ہیں
ہمارے دستِ ہوس کی دستک تمہاری بستی پہ ہو چکی ہے
کواڑ کھولو، اٹھاؤ گٹھڑی، یہاں سے نکلو
مگر......
اگر مگر کچھ نہیں چلے گا
ہٹاؤ اپنے یہ لال پرچم
انہیں بھی گٹھڑی میں ساتھ رکھو
اگر کہیں جھونپڑی بنالی تو اس کی منڈیر پر لگانا
یہاں مت آنا
یہاں تمہاری غلیظ بستی کے نقش تک بھی نہیں ملیں گے
یہاں بنائیں گے ہم پلازے، حسین بنگلے، امیر بچوں کی درس گاہیں
نفیس ہوٹل
تمہارے بیکار، زرد خوابوں کے سبز مقتل
کہ جن پہ لہرائے گا ہمارا یہ سبز پرچم
یہ پرچموں میں عظیم پرچم
عطائے رب کریم پرچم

2020 کے دوران ملک کے پس ماندہ صوبے میں پس ماندہ طبقات کے حقوق کی صورتِ حال

خواتین

خواتین کی نمائندگی، تحفظ اور قانون سازی کے حوالے سے بلوچستان دوسرے صوبوں سے کافی پیچھے ہے۔ بلوچستان اسمبلی میں 11 نشستیں خواتین کے لئے مخصوص ہیں جن میں سے ایک خالی ہے ۔ 2020ء میں اس حوالے سے کوئی قانون سازی نہ ہوسکی۔ دیگر صوبوں کے برعکس، بلوچستان میں اب بھی خواتین کے حقوق سے متعلق کوئی کمیشن موجود نہیں۔ 2020ء میں صوبائی اسمبلی کی جانب سے منظور کیئے گئے 9 قوانین میں سے ایک کا بھی تعلق خواتین کے حقوق سے نہیں تھا۔ تاہم، ایک مثبت پیش رفت یہ تھی کہ حکومت نے اکتوبر میں 'خواتین کی خودمختاری اور صنفی برابری پالیسی' کی منظوری دی۔

دیگر علاقوں کی طرح ، بلوچستان میں بھی خواتین کے خلاف تشدد جاری رہا۔ ستمبر میں، صحافی اور اینکر شاہینہ شاہین کو تربت میں ان کے گھر میں فائرنگ کرکے قتل کر دیا گیا۔ انٹرنیشنل فیڈریشن آف جرنلسٹس (آئی ایف یو جے) اور پی ایف یو جے نے قتل کی مذمت کی اور مطالبہ کیا کہ حکام ان کے خاندان کو انصاف فراہم کریں۔

ایک اور اہم واقعہ 23 دسمبر کو کینیڈا کے شہر ٹورانٹو میں بلوچ حقوق کی کارکن کریمہ بلوچ کی وفات کا تھا۔ کریمہ بلوچ ایک کالعدم طلباء تنظیم بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی سابق چیئر پرسن تھیں اور وہ 2016ء سے ایک سیاسی مہاجر کے طور پر کینیڈا میں رہائش پذیر تھیں۔ اگرچہ ٹورانٹو پولیس نے قتل کے امکان کو رد کردیا، تاہم بلوچ حقوق کے کارکنوں نے پاکستانی ریاست کو ان کی موت کا ذمہ دار قرار دیا۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ انہیں فوجی اسٹیبلشمنٹ کے حکم پر قتل کیا گیا تھا۔

اگرچہ عورت فاؤنڈیشن کے اعداد وشمار بلوچستان میں خواتین کے خلاف تشدد میں کمی ظاہر کرتے ہیں، اور 2019ء میں پیش آنے والے 118 واقعات کے مقابلے میں اکتوبر 2020ء تک خواتین کے خلاف تشدد کے 44 واقعات پیش آئے ، تاہم ایسا ممکن ہے کہ اعداد وشمار صورتحال کی درست عکاسی نہ کرتے ہوں اور یہ کہ صنف پر مبنی تشدد رپورٹ ہونے والے واقعات کی نسبت کہیں زیادہ عام ہے، جیسا کہ ملک میں تقریباً ہر جگہ دیکھا گیا ہے۔

خواجہ سرا

اگرچہ سال کے دوران خواجہ سرا برادری کے خلاف تشدد کا کوئی واقعہ منظرِ عام پر نہیں آیا تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بلوچستان میں ایسے تشدد پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ اگرچہ صوبے میں خواجہ سراؤں کی آبادی سب سے کم (2017ء تک 109) ہے، ان کا معیارِ زندگی پست ہے اور ان کے تحفظ کے لئے کسی قسم کی قانون سازی نہیں کی گئی۔

بچے

اعدا د و شمار صوبے میں بچوں کی صحت کی ایک خوفناک تصویر پیش کرتے ہیں۔ پاکستان میں پیدائش کے وقت 1,000 میں سے 42 بچے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ بلوچستان میں صرف 38 فیصد بچے ماہر خدمت گاروں (ڈاکٹر، نرس یا دایہ) کی زیرِ نگرانی پیدا ہوتے ہیں۔ بلوچستان بچوں میں پولیو وائرس کے دوبارہ پھیلاؤ کا بھی گڑھ رہا۔ صوبے میں پولیو کے کم از کم دو کیسز سامنے آئے جن میں سے ایک کا تعلق کوئٹہ اور دوسرے کا پشین سے تھا۔ کووِڈ 19 کے پھیلاؤ نے نہ صرف بلوچستان بلکہ پورے ملک میں پولیو ویکسی نیشن مہم کو متاثر کیا۔ ایک مثبت پیش رفت یہ تھی کہ یونیسف اور حکومتِ بلوچستان نے مشترکہ طور پر 'نیو بورن سروائیول سٹریٹیجی اینڈ کوسٹڈ ایکشن پلان 24-2020' شروع کیا تاکہ نوزائیدہ بچوں کی نگہداشت صحت کے نظام کو بہتر بنایا جاسکے اور ان علاقوں کی نشاندہی کی جاسکے جہاں زیادہ توجہ درکار ہے۔

2016ء میں بلوچستان چائلڈ پروٹیکشن ایکٹ کی منظوری اور فروری 2020ء میں صوبے کے پہلے چائلڈ پروٹیکشن بیورو کے قیام کے باوجود بچے سال بھر کے دوران غیر محفوظ رہے۔ رہنما نامی این جی او کے مطابق، صوبے میں ہر دس میں سے تقریباً چھ لڑکیوں کی 20 سال سے پہلے شادی کردی جاتی ہے۔ اگرچہ کم عمری کی شادیوں کو غیر قانونی قرار دینے کے لئے 2018ء میں بلوچستان اسمبلی میں ایک بل متعارف کرایا گیا تھا تاہم صوبے میں کم عمری کی شادیوں کے حوالے سے اب بھی 1929ء کا قانون نافذ العمل ہے جو نہ تو مقدمے کے اندراج کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی پولیس کو نوٹس لینے کا اختیار دیتا ہے۔ 2020ء کے آخر تک 2018ء کے بل پر کوئی بحث نہ ہوسکی۔

ساحل کی شائع کردہ سالانہ رپورٹ 'دردناک اعداد وشمار' ظاہر کرتی ہے کہ سال کے دوران بچوں کے خلاف تشدد کے 2,960 واقعات پیش آئے جن میں سے 53 کا تعلق بلوچستان سے ہے۔ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے 1,823 واقعات میں سے 17 بلوچستان میں پیش آئے جن میں سے سب سے زیادہ واقعات کا تعلق کوئٹہ سے تھا۔

محنت کش

2020ء میں صوبے بھر کے محنت کشوں کی معمولی سی دادرسی ہوئی۔ کووِڈ 19 کی وباء کے اثرات ہر شعبے تک وسیع ہوگئے۔ بلوچستان میں لاک ڈاؤن کے دوران اندازاً 360,000 محنت کش اپنی ملازمتیں کھو بیٹھے۔ بے روزگاری کی شرح جو 2917/18 میں 4.2 فیصد تھی 2020ء میں 18 فیصد تک پہنچ گئی۔ ایک ایسے صوبے کے لئے جو پہلے ہی کئی معاشی مسائل کا شکار ہے یہ اعداد وشمار پریشان کن ہیں۔ نجی شعبے کے ملازمین خاص طور پر متاثر ہوئے، اگرچہ ایسے ملازمین میں بے روزگاری کی شرح کے حوالے سے خاطر خواہ اعداد وشمار دستیاب نہیں۔

صوبائی حکومت ان احتجاجی اساتذہ کے مسائل کو حل کرنے میں بھی ناکام رہی جنہوں نے اساتذہ کی اسامیوں کے لئے امتحانات دیے تھے۔ اکتوبر میں کیریئر ٹیسٹنگ سروس پاکستان کے اساتذہ نے صوبائی اسمبلی کے سامنے احتجاج کیا اور الزام عائد کیا کہ وہ اپنے ٹیسٹوں کی بنیاد پر ملازمتوں کے اہل تھے لیکن نہیں۔-------------

دسمبر میں، گلوبل پارٹنرشپ ایجوکیشن کے اساتذہ نے کوئٹہ پریس کلب کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ حکومت انہیں مستقل ملازمین کا درجہ دے۔

ستمبر میں وزیر اعلیٰ جام کمال عالیانی کی زیرِ صدارت بلوچستان کابینہ کے ایک اجلاس میں اراکین نے گروی مشقت پر پابندی کی منظوری دی۔ بلوچستان بانڈڈ لیبر سسٹم بل 2020ء میں ترمیم کے تحت ایسے لوگ جو گروی مشقت سے متعلق بھرتیوں میں ملوث پائے گئے ہوں ایک سال قید اور 100,000 روپے جرمانے کے مستوجب ہوں گے۔

بانڈڈ لیبر کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے ضلعی سطح پر نگران کمیٹیاں بھی قائم کی جائیں گی۔ کابینہ نے بلوچستان ایمپلائمنٹ آف چلڈرن پروہیبیشن اینڈ ریگولیشن بل 2020ء کی بھی منظوری دی۔

کان کن

کوئلے کی کانوں کا شعبہ مزدوروں کے لئے پُر خطر رہا۔ اکتوبر میں، اخبارات کے ذریعے یہ اطلاع سامنے آئی کہ نو ماہ کے دوران ملک بھر کی کوئلے کی کانوں میں 134 مزدور جاں بحق ہوئے۔ ان میں سے کئی گہری کانوں میں کام کرنے کے دوران آکسیجن کی کمی یا کانوں کے منہدم ہونے کے باعث ہلاک ہوئے تھے۔ پاکستان سنٹرل مائنز لیبر فیڈریشن کے اندازوں کے مطابق، ہر سال اوسطاً 200-100 کان کن ہلاک ہو جاتے ہیں بلوچستان میں 2020ء کے دوران ایسے 116 واقعات پیش آئے، اگرچہ زیادہ تر واقعات رپورٹ نہیں ہوتے۔

دسمبر تک، قومی اخبارات نے صوبے کی کانوں میں پیش آنے والے پانچ حادثات کی اطلاع دی۔ دو حادثات ایک ہی دن ڈکی اور کچھی میں پیش آئے۔ ڈکی میں کوئلے کی کانوں میں پھنسے چھ مزدوروں کو نو گھنٹے کے ریسکیو آپریشن کے بعد بچا لیا گیا۔ ضلع کچھی میں تین کان کن زہریلی گیس سے بے ہوش ہوگئے۔ اس سے پہلے فروری میں، ڈکی میں تین بھائیوں سمیت چار مزدور اس وقت جاں بحق ہوئے جب ایک کان اچانک منہدم ہوگئی۔ مارچ اور مئی میں، ہرنائی اور ڈیگاری میں تین کان کُن ہلاک ہوئے۔ نیچے جدول 2 میں ایچ آر سی پی کی جانب سے جمع کئے گئے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ 2020ء میں صرف کان کُنی کے شعبے میں 58 ہلاکتیں ہوئیں۔

جدول 2: 2020ء میں بلوچستان میں کوئلے کی کانوں میں ہلاک اور زخمی ہونے والے افراد

تاریخ اور حادثے کا مقام	ہلاک	زخمی
01/01/2020 خوست	2	-
01/01/2020 ڈکی	1	-
07/01/2020 ڈکی	1	1
13/01/2020 ڈکی	1	-
15/01/2020 ڈکی	1	2
28/01/2020 ڈکی	1	-
03/02/2020 مچھ	2	-
12/02/2020 ڈکی	-	2
13/02/2020 ڈکی	4	-
23/02/2020 ڈکی	1	-
24/02/2020 ڈکی	1	-
16/03/2020 مچھ	2	-
20/03/2020 مچھ	7	-
09/04/2020 ڈکی	1	1
13/04/2020 ڈکی	1	-
28/04/2020 ----	1	-
04/05/2020 ہرنائی	3	-
10/06/2020 ڈکی	-	2
19/06/2020 ڈکی	1	-
05/07/2020 ہرنائی	1	-
07/07/2020 ہرنائی	1	-
09/07/2020 ہرنائی	1	-
14/07/2020 ہرنائی	2	-
29/07/2020 مچھ	1	1
22/08/2020 ہرنائی	1	-
23/08/2020 مچھ	1	2
25/08/2020 ڈکی	-	3
11/09/2020 ڈکی	1	-
19/09/2020 ہرناء	2	-
27/09/2020 ڈکی	1	-
30/09/2020 ڈکی	1	-
09/10/2020 ڈکی	1	-
11/10/2020 ہرنائی	1	-
12/10/2020 ہرنائی	1	-
08/11/2020 کوئٹہ	2	-
22/11/2020 ڈکی	1	-
04/12/2020 مچھ	2	-
07/12/2020 ڈکی	1	1
09/12/2020 ڈکی	1	-
10/12/2020 ---	1	-
15/12/2020 ڈکی	1	-
21/12/2020 ہرنائی	2	-

پاکستان نے آئی ایل او کے کنونشن 176 کی اب تک توثیق نہیں کی جو کان کنوں کے لئے محفوظ کانوں کی گہرائی واضح کرتا ہے۔ جنوری میں، گلوبل یونین فیڈریشن انڈسٹری ایل نے حکومتِ پاکستان پر زور دیا کہ وہ کنونشن کی توثیق کرے تاکہ کان کنوں کے لئے کام کے محفوظ حالات کو یقینی بنایا جا سکے۔

اس وقت، پاکستان منرل ڈویلپمنٹ کارپوریشن (پی ایم ڈی سی) جو وزارت پیٹرولیم و قدرتی وسائل کے تحت کام کرتی ہے، اپنی زیادہ تر کانوں کو ٹھیکے پر دے دیتی ہے۔ لیبر رہنماؤں کی جانب سے اس بات کے اشارے ملے ہیں کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ پی ایم ڈی سی بذاتِ خود ایمبولینس اور اسپتالوں تک رسائی جیسی بنیادی خدمات زیادہ بہتر طور پر فراہم کر سکتا ہے۔

ماہی گیروں کی حالتِ زار

اگرچہ ماہی گیری بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں رہنے والے 70 فیصد لوگوں کے روزگار کا بنیادی ذریعہ ہے، ماحولیاتی بحران اور سی پیک کی شکل میں ہونے والی وسیع ڈھانچہ جاتی ترقی نے کمیونٹی کے ذریعہ معاش کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ جنوری میں، گوادر میں اونچی لہروں اور تیز ہواؤں نے ماہی گیروں کی کشتیوں اور ماہی گیری کے ساز و سامان کو شدید نقصان پہنچایا۔ تاہم، بعد از اں حکومت نے ماہی گیروں کو ہونے والے نقصان کا معاوضہ ادا کر دیا۔

گوادر کے ماہی گیر 2019ء سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ترقیاتی پروگراموں میں کمیونٹی کے لئے بھی فوائد ہونے چاہئیں۔ ان کے مطالبات میں تین انڈر پاس، ایک وسیع پشتہ جہاں وہ اپنی کشتیوں کو بحفاظت لنگر انداز کر سکیں، مچھلیوں کی فروخت کے لئے نیلامی ہال، زمین کے کٹاؤ کو روکنے کے لئے حفاظتی دیوار، ان کے بچوں کے لئے وظائف، بندرگاہ پر روزگار کے مواقع، اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے بلوچستان اسمبلی میں ایک قرارداد کی منظوری شامل تھی۔

معمر افراد

اگرچہ بلوچستان حکومت نے معمر افراد کے حقوق کے تحفظ کے لئے سینیئر سٹیزنز ایکٹ 2017ء منظور کیا تھا، تاہم سٹیزنز ویلفیئر کونسل جس کا وعدہ کیا گیا تھا، اب تک قائم نہیں کی جا سکی۔ بزرگ شہریوں کو اس سال بھی پنشن کے حصول میں مشکلات کا سامنا رہا جس میں پیچیدہ دستاویز کاری اور بعض اوقات رشوت ادا کرنا شامل تھا۔

معذوری کا شکار افراد

بلوچستان میں اندازاً 140,000 معذوری کا شکار افراد رہائش پذیر ہیں، اگرچہ ان میں سے بہت کم محکمہ بہبود بلوچستان کے ساتھ رجسٹرڈ ہیں۔ اگرچہ بلوچستان معذوری کا شکار افراد ایکٹ 2017ء عوامی مقامات تک آسان رسائی سمیت ان کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے، تاہم معذوری کا شکار افراد کے لئے حالات مشکل ہی رہے۔

2019ء میں، معذوری کا شکار افراد کے بین الاقوامی دن کے موقع پر وزیر اعلیٰ جام کمال نے کہا کہ 2017ء کے ایکٹ پر ترجیحی بنیادوں پر عمل کیا جائے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت نے سرکاری شعبے کے ترقیاتی پروگرام برائے 2019/20 میں معذوری کا شکار افراد کی خصوصی تعلیم کے لئے 50 کروڑ روپے مختص کئے ہیں۔ بدقسمتی سے، 2020ء میں ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوئی مزید پیش رفت نہ ہو سکی۔

مہاجرین

بلوچستان میں رجسٹرڈ افغان مہاجرین کی تعداد 324,000 ہے۔ قوم پرست جماعتوں جیسے کہ بی این پی۔ مینگل نے 2018ء کے انتخابات کے بعد یہ معاملہ اٹھایا اور مطالبہ کیا کہ مہاجرین کو ان کے وطن واپس بھیجا جائے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ مرکز صوبے میں بلوچ آبادی کو اقلیت میں بدلنے کے لئے 'مہاجر کارڈ' استعمال کر رہا ہے۔

(ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی سالانہ رپورٹ *2020 میں انسانی حقوق کی صورتِ حال* سے اقتباس)

میڈیا کی آزادی اور آزادی اظہارِ رائے کو یقینی بنایا جائے

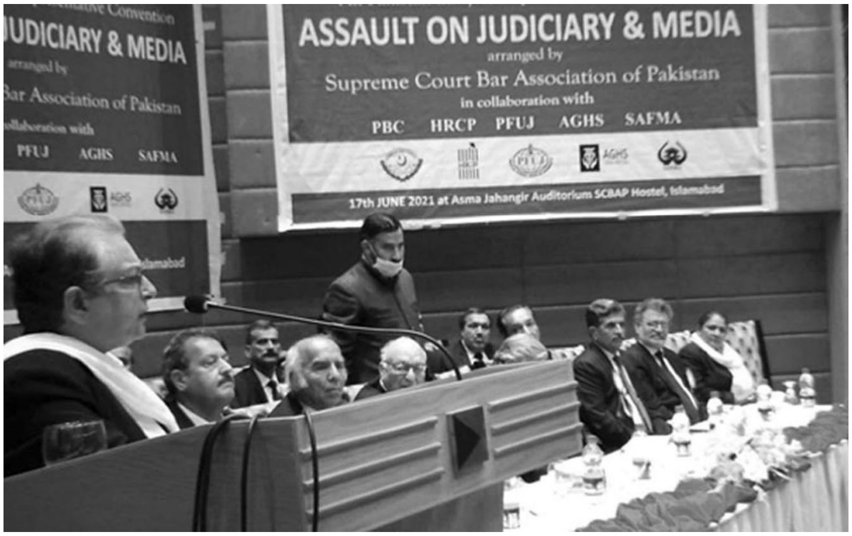

اسلام آباد ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان، پاکستان بار کونسل، پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس، اے جی ایچ ایس اور ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ کے تعاون سے 17 جون کو عاصمہ جہانگیر آڈیٹوریم، سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن میں 'عدلیہ اور میڈیا پر حملہ' کے عنوان سے ایک کنونشن کا انعقاد ہوا جس میں ملک بھر سے نامور وکلاء، ممتاز صحافی اور انسانی حقوق کے کارکنان نے شرکت کی۔

شرکاء نے ملک میں عدلیہ اور صحافیوں پر ریاستی و غیر ریاستی عناصر کے بڑھتے حملوں کی مذمت کی اور کہا کہ ان حملوں، دھمکیوں اور خطرات کے نتیجے میں ملک میں عدلیہ اور صحافت کا کام شدید متاثر ہو رہا ہے۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی چیئر پرسن حنا جیلانی نے کہا کہ اس ملک کے وکلا اور صحافی آئین کی پامالی نہیں دیکھ سکتے۔ موجودہ دور میں سول سوسائٹی کا گلہ دبایا جا رہا ہے۔ ہم میڈیا کی آزادی کو کھوتا نہیں دیکھ سکتے۔ انہوں نے کہا کہ صرف چند کا نہیں بلکہ اس ملک میں تقریباً سبھی صحافیوں کا ہی استحصال کیا جا رہا ہے۔ ہم ہائبرڈ نظام کو برداشت نہیں کریں گے، جمہوری نظام کو بچانا ہم سب کا فرض ہے، ملک کے تمام اداروں اور سول سوسائٹی کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر لطیف آفریدی نے کہا کہ سپریم کورٹ کے جج، مسٹر جسٹس قاضی فائز عیسیٰ نے کوئٹہ میں وکلاء پر خودکش حملہ کیس اور فیض آباد دھرنا کیس میں آزادانہ فیصلے کیے جس کے بعد انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ جسٹس قاضی فائز عیسیٰ کے چیف جسٹس آف پاکستان بننے تک ملک بھر کے وکلاء صحافی اور سول سوسائٹی ان کے ساتھ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں بدعنوانی زوروں پر ہے۔ ایک سابق ڈکٹیٹر کے والد فوج میں امام مسجد تھے اور ان کے پاس کل دو مرلہ کا گھر تھا اور اب اس کی اولاد اربوں روپے کی جائیدادوں کی مالک ہے۔ انہوں نے کہا کہ صوبہ خیبر پختونخوا میں تین چار سو لوگوں کو بھتہ دینے کے نوٹسز جاری ہوئے ہیں۔ انہوں نے متعلقہ حکام سے رابطے بھی کیے ہیں لیکن کسی کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر قدیر خان اور پرویز مشرف سے متعلق مقدمات سپریم کورٹ میں زیر التواء پڑے ہیں۔ ان کی جلد از جلد سماعت کی جائے۔ پاکستان بار کونسل کے وائس چیئرمین خوشدل خان کا کہنا تھا کہ آئین و قانون کی سربلندی اور میڈیا کی آزادی کے بغیر ملک میں ترقی ممکن نہیں۔ وہ میڈیا پر پابندیوں کے لئے تشکیل دیے گئے تمام تر کالے قوانین کو مسترد کرتے ہیں اور تمام صحافیوں پر پابندیوں اور ان پر کئے جانے والے تشدد کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عدلیہ بحالی کی تحریک میں وکلاء نے اپنا خون دیا ہے اور اب وکلاء کے چیمبروں کو گرایا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ چار روز قبل ہمارے وکیل ساتھی بشیر الرحمان کو بنوں میں قتل کیا گیا۔ ملک میں ٹارگٹ کلنگ کے واقعات خوفناک حد تک بڑھ گئے ہیں۔ بنوں میں مزدوری کیلئے جانے والی خواتین کو بے دردی سے مار دیا گیا اور کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے۔ وکلا کو جھوٹے مقدمات میں پھنسایا جاتا ہے۔ سینئر وکیل علی احمد کرد نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ضیاالحق کے دور سے لیکر اب تک لاقانونیت کے خلاف صرف وکلاء نے ہی آواز اٹھائی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے سینئر رہنما سینیٹر رضا ربانی نے کہا کہ یہ ایک فسطائی ریاست بن رہی ہے۔ آمروں نے اس ملک کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ جنرل ضیاالحق کے دور میں مزدور اور طلبہ یونین سمیت تمام تنظیموں پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ وکلاء ملک دشمن قوتوں کے سامنے اس وقت سیسہ پلائی دیوار ہیں، جن میں دراڑیں پیدا کرنے کی ناکام کوششیں جاری ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جسٹس قاضی فائز عیسیٰ کا حال سب کے سامنے ہے، بلاوجہ میڈیا چینلز بند کرنا اور صحافیوں پر پابندیاں لگانا معمول بن چکا ہے۔ اس وقت ملک جس نہج پر کھڑا ہے یہ سوچنے کا مقام ہے۔ وکلا، میڈیا، سول سوسائٹی، سیاسی جماعتوں کا اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔ سینئر صحافی حامد میر نے کہا کہ مجھے بار کے صدر نے سمجھا کر یہاں کھڑا کیا ہے اس لئے زیادہ نہیں بولوں گا، تاہم، علی احمد کرد ایڈووکیٹ نے یہاں پر جو کچھ اس تقریب میں کہا ہے ہوسکتا ہے کہ ان پر مقدمہ قائم ہو جائے ایک وقت تھا جب پرویز مشرف کے دور میں میڈیا پر پابندی لگی تو عمران خان ہمارے پاس اظہار یکجہتی کیلئے آیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر وہ اقتدار میں آئے تو میڈیا سے پابندیاں ہٹا دیں گے۔ سینئر صحافی امتیاز عالم نے کہا کہ ہم آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں آزادی سے پہلے تھے۔ اُس وقت کے استعماری دور میں انگریز ایک گورنر جنرل بھیج دیتا تھا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ غلام محمد کے دور سے لیکر پرویز مشرف کے دور تک بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ ہم نے خود کو ایک اسلامی جمہوری فلاحی ریاست کا نام دے رکھا ہے مگر کوئی بھی وزیر خزانہ اس ملک کا بجٹ نہیں بنا سکتا ہے۔ پاکستانی میڈیا مر چکا ہے، اس لئے اس کا فاتحہ پڑھ لیں۔ میڈیا پر خوفناک قسم کی سنسر شپ ہے۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے صدر شہزادہ ذوالفقار نے کہا کہ میڈیا کی آزادی، میڈیا گروپوں کے مالکان کا مسئلہ نہیں بلکہ صحافیوں کا مسئلہ ہے۔ یہ لڑائی ہم نے ہی لڑنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان میں 2004 سے 24 صحافی ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنے ہیں۔ 12 کراس فائرنگ یا خودکش حملوں کا نشانہ بنے ہیں، انہوں نے مزید کہا کہ آگے چل کر ہمارے لئے مزید سختیاں ہیں جبکہ میں آج بھی ان کی تپش دیکھ رہا ہوں۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) کے جنرل سیکرٹری ناصر زیدی نے کہا کہ آج ملک میں

صرف نام کی جمہوریت رہ گئی ہے۔میڈیا تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے، میڈیا سول سوسائٹی اور وکلاء اس کڑے وقت میں اپنا اپنا کردار ادا کرنے کیلئے باہر نکل آئے ہیں، عدلیہ کی آزادی پر کوئی سمجھوتا نہیں کریں گے۔اگر عوام کی طاقت ہمارے ساتھ رہی تو انشا اللہ ہم اپنے مقاصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔سینئیر صحافی اور انسانی حقوق کی کارکن منیزے جہانگیر کا کہنا تھا کہ ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں کیونکہ ہم ملک میں جنگل کا قانون نہیں چاہتے۔ میری والدہ نے لاپتا افراد کی بازیابی کیلئے سینکڑوں مرتبہ عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹائے تھے۔ملک میں آزادمیڈیا کیلئے میری والدہ نے ہمیشہ آواز اٹھائی۔ وکلاء،میڈیا اور سیاستدانوں سے لوگوں کو بڑی توقعات ہیں۔سینئر وکیل اور سیاسی رہنماء سینیٹر اعظم نذیر تارڑ نے کہا کہ جب بھی کسی قوت نے منتخب وزیرِ اعظم کو ہٹانے کی کوشش کی ہماری عدلیہ نے اسے مایوس نہیں کیا۔ ہماری رہنما عاصمہ جہانگیر اب ہم میں موجود نہیں ہیں اگر آج وہ ہوتیں تو ضرور ہماری رہنمائی کرتیں۔

سرائیکی نیشنل پارٹی کے سربراہ عبدالمجید کانجو نے کہا کہ چولستان اور سرائیکی علاقے کی زمینیں غریب کاشتکاروں کی بجائے مراعات یافتہ طبقے کو الاٹ کی جارہی ہیں۔استدعا ہے کہ اس زیادتی کیخلاف وکلاء اور صحافی ہمارا ساتھ دیں۔ پاکستان بارکونسل کے سابق وائس چیئر مین سید امجد حسین شاہ نیکہا کہ آئین کے آرٹیکل (3)184 کی حدود طے کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسلام آباد ہائیکورٹ کے معزول جج شوکت عزیز صدیقی کے لگائے گئے الزامات کی تحقیقات کیلئے ریٹائرڈ چیف جسٹس صاحبان پر مشتمل جوڈیشل کمیشن بنایا جائے۔معروف سیاسی شخصیت افراسیاب خٹک نے کہا کہ ملک میں چار مارشل لاء لگائے گئے۔اس وقت ملک میں غیر اعلانیہ مارشل لاء نافذ ہے۔موجودہ صورتحال زیادہ خطرناک ہے۔ وفاق اور اس کے اداروں کو جڑ سے اکھاڑا جارہا ہے۔ ہمارے اوپر غاصب مسلط ہیں۔انہوں نے کہا کہ آزاد عدلیہ اور صحافت کے بغیر ملک ترقی نہیں کرسکتا۔ پیپلز پارٹی کی رہنما شیری رحمان نے کہا کہ صحافی اس ملک کا مظلوم طبقہ ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ کسی صحافی کو کسی ادارے نے تحفظ نہیں دیا۔ انہوں نے کہا کہ پرویز مشرف اور ضیا الحق کے ادوار میں صحافت پر جو پابندیاں عائد تھیں سب کو معلوم تھیں لیکن اب یہ پابندیاں دوبارہ چور دروازے سے آنا چاہتی ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ ن کی رہنما مریم اورنگزیب نے کہا کہ ملک کے ایک منتخب وزیر اعظم کو ہٹا دیا گیا ہے اس پر یہ کہہ کر بات نہیں کی گئی کہ یہ سیاسی بات ہے، یہ سیاسی بات نہیں تھی، ملک کے مفاد کا معاملہ تھا۔انہوں نے کہا کہ اسد طور، طلعت حسین، مطیع اللہ جان، حامد میر اور ابصار عالم سمیت دیگر صحافیوں کو کیوں

نقصان پہنچایا جا رہا ہے؟ سب کو معلوم ہے، ہم پارلیمنٹرین سمیت بہت سے لوگوں نے اپنے فرائض درست طریقے سے سرانجام نہیں دیے ہیں۔انہوں نے کہا کہ مسئلہ قانون کا نہیں خود کو طاقت کا مرکز سمجھنے والوں کا ہے۔ جب تک ادارے تقسیم اختیارات اور آئینی حدود کو نہیں سمجھیں گے مسائل جنم لیتے رہیں گے۔ سیاسی جماعتوں سمیت کسی نے بھی اپنا درست کردار ادا نہیں کیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما فرحت اللہ بابر نے کہا کہ ملک دشمن قوتیں لوگوں کا شعور بیدار کرنے والوں کے خلاف ہیں۔ان کے خلاف ہم سب کو مل کر جنگ کرنی چاہیے۔سابق سینٹر طاہر بزنجو نے کہا کہ ملک بدترین سیاسی اور معاشی عدم استحکام کا شکار ہے، ہم عدلیہ کی آزادی، آزادی رائے اور آئین کی بالادستی کیلئے وکلا اور صحافیوں کے ساتھ ہیں۔

کنونشن کے آخر میں درج ذیل قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی:

☆ سویلین اداروں، فوج اور عدلیہ کے مابین تعلقات کو آئین کے مطابق استوار کیا جائے، اور میڈیا و اظہارِ رائے کی آزادی کو یقینی بنایا جائے،

☆ ریاست کے تمام ادارے اپنی آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے فرائض سرانجام دیں اور دوسرا کوئی بھی ادارہ ان کے کام میں مداخلت سے گریز کرے،

☆ حکومت کی جانب سے عدالتی کام میں مداخلت، عدالتی طریقہ کار میں ہیرا پھیری اور جوڑ توڑ اور راست باز ججوں کو بدنام کرنے کا عمل فوری طور پر بند کیا جائے اور جو لوگ اس میں ملوث ہیں ان کا محاسبہ کیا جائے،

☆ عدلیہ موجودہ حالات کے تناظر میں بیرونی دباؤ کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی آزادی کا تحفظ یقینی بنائے،

☆ سپریم کورٹ سول انتظامیہ کے کام کو متاثر کئے بغیر اپنے از خود نوٹس کا اختیار بہتر طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ملک میں عوام کے بنیادی حقوق کے تحفظ اور لاپتا افراد کا سراغ لگانے کے حوالے سے اپنا فعال کردار ادا کرے،

☆ میڈیا میں حکومت اور اسٹیبلشمنٹ کی جانب سے مرئی اور غیر مرئی مداخلت لازماً بند ہونی چاہیئے۔

☆ آزادی اظہارِ رائے اور معلومات تک رسائی کے حق کا احترام کیا جانا چاہیئے،

☆ میڈیا اور سول سوسائٹی کے خلاف ہائبرڈ وار فیئر (میڈیا سمیت مختلف ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے لڑی جانے والی جنگ) کا خاتمہ ہونا چاہیئے،

☆ میڈیا میں سنسر شپ، اور سیلف سنسر شپ کا خاتمہ ہونا چاہیئے،

☆ میڈیا کو محکوم نہ بنایا جائے۔جن نمایاں صحافیوں کو جبراً دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا ہے انہیں فوری طور پر بحال کیا جائے،

☆ اخبارات کی ادارتی پالیسی میں مداخلت بند کی جائے، حکومت کی صادر کردہ غیر قانونی ہدایات کو نہ ماننے کی پاداش میں ریڈیو، ٹیلی ویژن کی نشریات، ٹاک شوز اور رپورٹنگ کو بند کرنے سے گریز کیا جائے،

☆ اخبارات کی سرکولیشن کے راستے میں کھڑی کی گئی رکاوٹیں ختم کی جائیں،

☆ آٹھ ہزار میڈیا کارکنوں کو فوری طور پر ان کے سابقہ بقایاجات کے ساتھ بحال کیا جائے،

☆ میڈیا سے متعلق تمام تر سیاہ قوانین بشمول مجوزہ میڈیا ڈیولپمنٹ اتھارٹی آرڈیننس 2021 اور پریوینشن آف الیکٹرانک کرائمز ایکٹ 2016 کو فوری طور پر واپس لیا جائے کیونکہ ان قوانین کو سوشل میڈیا اور آن لائن صحافت کو دبانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے،

☆ ویج ایوارڈ 2019 فوری طور پر نافذ کیا جائے،

☆ ذرائع ابلاغ میں پھوٹ ڈالنے کا سلسلہ فوری طور پر بند کیا جائے اور پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کا 18 نکاتی چارٹر آف ڈیمانڈ تسلیم کیا جائے،

☆ ملک بھر سے لاپتا کئے جانے والے تمام افراد کو فوری طور پر سامنے لاکر انہیں انصاف فراہم کرنے کے لئے ضروری قانونی کاروائی کی جائے۔

پارلیمانی فسادا اور وکلا اور صحافیوں کی دہائی

امتیاز عالم

ایسے وقت میں جب منتخب اداروں میں طوفان بدتمیزی بپا ہے۔ جوتیوں اور بجٹ دستاویزات کی ایک دوسرے پہ بارش کی جارہی ہے اور جاری مغلظات نے پارلیمانی روایات کی تذلیل کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں تو کوئی جمہوریت پسند پارلیمانی بالادستی کی بات کرے تو کس منہ سے؟ اسی طرح جب سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن نے ”عدلیہ اور میڈیا پہ حملہ“ کے عنوان سے وکلا، سول سوسائٹی اور عامل صحافیوں کے نمائندوں کا 17 جون کو اسلام آباد کنونشن منعقد کیا تو میں سوچنے پہ مجبور رہا کہ عدلیہ کی خودمختاری پہ آخر حملہ آور کون ہے؟ اور میڈیا کی آزادی کو سرنگوں کرنے اور کروانے والے کون ہیں؟ گو کہ موجودہ اسمبلیوں کے قیام کے عمل میں ہی جائز اور ناجائز کے سوال اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، رہی سہی کسر حکمران جماعت کے پارلیمنٹیریز نے پوری کردی۔ بچ سے قانون سازی ہورہی تھی، نہ پالیسیوں پہ کوئی سنجیدہ مباحث۔ اگر کچھ ہے تو بس وہ کہنے، سننے اور دیکھنے کے لائق نہیں۔ یہ تو ہوتا آیا ہے کہ بجٹ تقریر کے دوران ہنگامہ ہوتا رہا، یہ کبھی نہ ہوا تھا کہ قائد حزب اختلاف پہ حکومتی بنچوں سے اپنے ہی بجٹ کے بھاری بھرکم نسخے بارشِ خشت کی طرح برسا دیئے جائیں۔ یہ کبھی ایک آدھ بار کے سوا نہ ہوا تھا کہ بجٹ سیشن میں زیرِ حراست اراکین اسمبلی کی شرکت یقینی نہ بنائی گئی ہو۔ علی وزیر، خورشید شاہ اور خواجہ آصف کو معزز سپیکر نے اجلاس میں شرکت کے لیے کوئی کوشش نہ کرکے اپنے منصب کی بے توقیری کی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پارٹی کے فیصلے کے تحت تین روز تک اسمبلی کو غنڈہ گردی کی نذر ہوتے بے بسی سے دیکھتے رہ گئے۔ اب ایوان کی عظمت اور اس کے گارڈین کی غیر جانبداری کی کوئی قسم کھائے تو کیسے۔ رہی حزب اختلاف تو اس کے باہم جوتم پیزار ہونے کے بعد بچا ہی کیا تھا۔ رہی سہی کسر حزب اختلاف کے رہنماؤں کی خالی خولی تنقید نے پوری کردی کہ بجٹ کب کا مقتدر اسمبلی کے اختیار سے ماورا ہو چکا ہے۔ ماسوائے اسحاق ڈار کے تقریباً تمام وزرائے خزانہ پردہ غیب سے نازل ہوئے تھے اور حفیظ شیخ اور شوکت ترین سمیت کوئی بھی منتخب حکومت کا انتخاب نہ تھا۔ جب بجٹ دستاویزات جوتوں کی طرح ایک دوسرے پہ ماری جائیں گی تو کوئی اس طرح کے تخمینوں اور مالی و مالیاتی فیصلوں کو سنجیدگی سے کیوں لے گا اور یہ صبح وشام اور سال بھر میں بار بار تبدیل کیے جاتے رہیں گے۔ بہت سے محاصل تو اب بجٹ سے ماورا کردیئے گئے ہیں اور محاصل کے حصول میں ناکامی پر لوگوں پہ بجلی، تیل، گیس کے بلوں اور دیگر صورتوں میں بجلی بن کر گرتے رہیں گے۔ گو کہ بجٹ اور اس سے متعلق اہم معاملات پارلیمنٹیرینز کی بیہودہ ہنگامہ آرائی کی نذر ہوکر عوام کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ حزب اختلاف کو خبر ہو کہ عمران حکومت کا چوتھا بجٹ اگلے انتخابات کی تیاری کا بڑا ہی آنکھیں خیرہ کردینے والا نسخہ ہے۔ وفاق، پنجاب، پختونخوا اور بلوچستان کے بجٹوں میں 2002 ارب روپے کے ریکارڈ سالانہ ترقیاتی پروگرام رکھے گئے ہیں کہ اراکین صوبائی اور قومی اسمبلی سال بھر ترقی کے منصوبوں کی تختیاں لگاتے نظر آئیں۔ بدقسمتی سے جب اگلی اسمبلیوں کے لیے چوتھے مسلسل انتخابات ہوں گے تو سیاستدانوں کے لیے ان چناؤ میں حصہ لینے کا کوئی بھی عوامی مقصد نہ رہ جائے گا۔ غالباً بجٹ میں ترقیاتی پروگراموں کا اتنا تڑکہ لگا دیا گیا ہے کہ شاید تحریک انصاف کے پاس پانچویں اور آخری بجٹ کے لیے کچھ نہ بچے، سوائے اس کے کہ یہ اگلی حکومت کے لیے 2018ء سے بھی بہت بڑے خسارے چھوڑ کر گھر کو سدھار جائے۔

اس تاریک سناٹے میں پھر سے جمہوری شمع جلائی ہے بھی تو وکلا اور صحافیوں نے مل کر۔ سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن نے پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان اور سافما کے اشتراک سے ایک بہت ہی نمائندہ اور تاریخ ساز کنونشن منعقد کیا جس نے 1980ء میں جنرل ضیاالحق کی آمریت کے خلاف لاہور میں وکلا کنونشن کی یاد تازہ کردی جس کے بعد تحریک بحالی جمہوریت کا آغاز ہوا اور ایک طویل عظیم جمہوری جدوجہد شروع ہوئی جو 1988ء کے انتخابات کے انعقاد کے بعد جمہوری حکومت کی بحالی پر منتج ہوئی۔ جمہوریت کی یہ بحالی بھی گہنائی ہوئی ثابت ہوئی اور پھر جنرل مشرف کا طویل مارشل لا مسلط ہوگیا۔ اس کے خلاف موثر تحریک وکلا اور میڈیا نے مل کر چلائی، انتخابات کا انعقاد کرنا پڑا اور عدلیہ کی خودمختاری اور میڈیا کی آزادی بحال ہوئی۔

اس تاریک سناٹے میں پھر سے جمہوری شمع جلائی ہے بھی تو وکلا اور صحافیوں نے مل کر۔ سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن نے پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان اور سافما کے اشتراک سے ایک بہت ہی نمائندہ اور تاریخ ساز کنونشن منعقد کیا جس نے 1980ء میں جنرل ضیاالحق کی آمریت کے خلاف لاہور میں وکلا کنونشن کی یاد تازہ کردی جس کے بعد تحریک بحالیِ جمہوریت کا آغاز ہوا اور ایک طویل عظیم جمہوری جدوجہد شروع ہوئی جو 1988ء کے انتخابات کے انعقاد کے بعد جمہوری حکومت کی بحالی پر منتج ہوئی۔ جمہوریت کی یہ بحالی بھی گہنائی ہوئی ثابت ہوئی اور پھر جنرل مشرف کا طویل مارشل لا مسلط ہوگیا۔ اس کے خلاف موثر تحریک وکلا اور میڈیا نے مل کر چلائی، انتخابات کا انعقاد کرنا پڑا اور عدلیہ کی خودمختاری اور میڈیا کی آزادی بحال ہوئی۔ عدلیہ کی خودمختاری کو گہن تو خود بحال شدہ چیف جسٹس افتخار چوہدری اور بعدازاں چیف جسٹس ثاقب نثار کے ہاتھوں لگا اور یہ اپنی اندرونی کمزوریوں کے باعث ماورائی قوتوں کے عقابی حربوں کی نذر ہوگئی۔ دو معزز جج صاحبان کے خلاف ریفرنسز نے عدلیہ کی خودمختاری کا بھانڈہ پھوڑ دیا۔ آزاد میڈیا کا معاملہ مختلف تھا کہ ففتھ جنریشن اور ہائبرڈ وار فیئرز میں اسے ریاست کا ”چوتھا ستون“ یا آلہ کار بنایا جانا تھا۔ حکومت نے اس کی ایسی معاشی گردن مروڑی کہ میڈیا موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہوکر ہتھیار گرا بیٹھا۔ جو حق کی آواز بلند رکھنے پہ مصر تھے وہ میڈیا بدر ہوئے، ہزاروں بے روزگار اور بہت سے المناک مثال بنا دیئے گئے۔ جمہوری اور انسانی حقوق کی جو حاصلات تھیں وہ قصہ پارینہ ہوئیں۔ جب جمہوریہ ہی نشانِ عبرت ٹھہری تو عدلیہ کی خودمختاری اور میڈیا کی آزادی کس کھیت کی مولی تھی۔ وکلا کنونشن نے ایک بہت ہی زوردار اعلامیہ جاری کرکے اس پر عملدرآمد کے لیے لائحہ عمل ترتیب دینے کا اعلان کیا ہے جس میں سول/ملٹری، انتظامیہ/عدلیہ اور ملٹری/میڈیا تعلقات کو 1973ء کے آئین کی اصل روح کے مطابق از سرِ نو تشکیل دینے کا عہد کیا گیا ہے۔ پی ڈی ایم کے انتشار کے بعد پھر سے وکلا، صحافی، سول سوسائٹی اور جمہوری قوتیں مل کر ایک نئی تحریک کی شروعات کرنے کے لیے پر تول رہی ہیں۔ کاش! آل پاکستان وکلا کنونشن کا اعلامیہ محض ایک کاغذ دعویٰ بن کے طاق نسیاں کی نذر نہ ہوجائے۔ شاید یہ ایک فیصلہ کن جدوجہد کا نکتہ آغاز بن سکے، اس سے پہلے کہ (خدانخواستہ) مملکت کے چراغوں میں روشنی نہ رہے!

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

کیا پاکستان کو ایسی شرم وحیا کی ضرورت ہے؟

پرویز امیر علی ہود بھائی

اسلام آباد کے اسکولوں میں تحریک انصاف کا تیار کردہ یکساں قومی نصاب کا اطلاق شروع ہو چکا ہے اور طلبہ کے لیے انسانی جسم کو پہلے سے بھی زیادہ ایک پراسرار بھید بنا دیا گیا ہے۔ نصابی کمیٹی پر تعینات علما نے یہ حکم صادر کیا ہے کہ وہ تمام مضامین کی نگرانی کریں گے اور سائنس کی کتابوں کے مندرجات چھپوانے سے پہلے ان سے اجازت لی جائے۔ اسلامی اخلاقیات کے نام پر انہوں نے نصابی کتب کے پبلشروں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ حیاتیات کی نصابی کتب میں کوئی تصویر یا خاکہ نہ چھاپیں جس میں انسانی اعضا جسم ''بغیر لباس'' کے دکھائی دیں۔

حیاتیات کی تعلیم کے لیے اس ارتقا نے اب تک کی موجودہ تمام پابندیوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ نظامِ انہضام (معدے کے داخلی اور خارجی راستوں)، انسانی تولیدی نظام اور چھاتی کی غدود کی وضاحت کے لئے عکسی خاکوں کی مدد ضروری ہے۔ تصاویر، عکسی خاکے اور انسانی جسم کی اشکال پر پردے نہیں ڈالے جا سکتے، انھیں نصابی کتابوں سے خارج کرنا حیاتیات کی تعلیم کو محض ایک مذاق بنانے کے مترادف ہے۔

انسانی جسم تو نصاب کمیٹی سے قبل بہت عرصے سے ممنوع چلا آ رہا ہے بس اب اس امتناع میں مزید اضافہ باقی رہ گیا تھا۔ میں نے گذشتہ برسوں میں پنجاب اور سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کی شائع ہونے والی کچھ حیاتیات کی نصابی کتب کا جائزہ لیا تو ان میں زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے درکار ممالیہ جانوروں کے اعضا اور تولیدی عمل کے معنی خیز ابواب نہیں مل سکے۔

1996ء کی ایک کتاب میں مجھے ایک خرگوش کا ایک غیر واضح خاکہ دیکھنے کو ملا، لیکن اسے دیکھ کر یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ آیا وہ نر ہے یا مادہ یا یہ اس کے وہ اعضائے تولید ہیں جس سے خرگوش اپنی نسل برقرار رکھ سکتا ہے۔ کسی کو یہ سوچنا چاہئے کہ اس چھوٹے سے جانور کی واضح تصویر کیا طلبہ کے جذبات میں گدگدی پیدا کرے گی یا ان کے اندر جنسی میلان کا باعث بنے گی، میرے لیے یہ بڑی حیران کن بات ہے۔

شائستگی جسے مذہبی زبان میں شرم وحیا کا نام دیا جاتا ہے، کا زبردستی نفاذ لوگوں کیلئے شدید پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ مثال کے طور پر سابق سینیٹر اور متحدہ مجلس عمل کے سابق صوبائی سیکرٹری مولانا گل نصیب خان نے ان تشخیصی طبی آلات کی مذمت کی جن کے ذریعے خواتین کے جسموں کے اندر دیکھا جا سکے کیونکہ ''ہمارا خیال ہے کہ مرد الٹراساؤنڈ یا ای سی جی کے دوران خواتین کے جسم سے جنسی لذت پا سکتے ہیں''۔ مولانا کی پارٹی جب اقتدار میں تھی تو انہوں نے یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ خواتین طبی معائنے کے بہانے مردوں کو ورغلائیں گی، کے پی میں مرد ٹیکنیشنز اور ڈاکٹروں کے ذریعے خواتین کے الٹراساؤنڈ اور ای سی جی پر پابندی عائد کر دی جبکہ تربیت یافتہ خواتین بھی میسر نہیں تھیں۔

اگرچہ شرم وحیا سب پر لاگو ہوتی ہے، لیکن خواتین کو اس کا بہت زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ثقافتی طور پر، 'چھاتی' ایک ممنوعہ لفظ ہے اور اسی وجہ سے چھاتی کے کینسر کو آسانی سے 'بریسٹ کینسر' نہیں کہا جا سکتا۔ اس وجہ سے اس مرض کی ابتدائی مراحل میں تشخیص نہیں ہو پاتی، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں چھاتی کے کینسر کی شرح جنوبی ایشیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اس مرض میں مبتلا بیشتر خواتین اس کی تشخیص میں شرمندگی محسوس کرتی ہیں۔ صرف اس صورت میں جب درد ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے اور کینسر جسم کے دیگر حصوں میں پھیلنے لگتا ہے تو خاتون آخر کار کسی پر اعتماد کرتی ہے۔ اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ بچہ دانی اور رحم کے کینسر کی وجہ سے ہزاروں پاکستانی خواتین ہر سال مر جاتی ہیں لیکن بچہ دانی اور رحم ایسے نازک الفاظ ہیں کہ ان کا ذکر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس قدر معاشرتی پابندی کے ماحول میں کیا ہماری خواتین کو ڈاکٹر بننا چاہئے؟ یہ ایک عجیب سا سوال لگتا ہے۔ اس وقت پاکستان میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں 70 فیصد لڑکیاں ہیں۔ ہمارے ہاں ذہین لڑکیوں کو ان کے والدین بڑے شوق سے میڈیکل کالج داخلہ دلواتے ہیں لیکن ان میں زیادہ تر ڈگری مکمل کرنے کے بعد مثالی دلہن بن کر اس پیشے کو بھول جاتی ہیں۔ بہر حال سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خواتین اپنی محدود طبی معلومات کی بنا پر حقیقی ڈاکٹر بن سکتی ہیں؟ کیا انھیں کبھی مردانہ اناٹومی سمیت پورے انسانی جسم کا مطالعہ کرنے کی اجازت ہوگی؟ یا کیا خواتین ڈاکٹروں کو صرف کھانسی زکام کا علاج کرنا ہے یا پھر دایہ بننا ہے؟

وقت گزرنے کے ساتھ پی ٹی آئی کی مذہبی نگرانی میں قومی نصاب میں انسانی جسم سے متعلق ممنوعات مزید بڑھتی جائیں گی۔ آج بھی کوئی حکومتی عہدیدار آبادی کی منصوبہ بندی یا مانع حمل کے بارے میں کھلے عام بات کرنے کی جرات نہیں کرتا، سوائے اس کے کہ ان موضوعات پر وہ چونک جائے یا اپنی بغلیں جھانکنے لگے۔ اگرچہ پاکستان میں ہر دو سال بعد اسرائیل کی ریاست جتنے افراد پیدا ہوتے ہیں، پھر بھی یہاں آبادی کی منصوبہ بندی کرنے والی وزارت کو بہت عرصہ ہوا ختم کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ہر صوبے میں ایک مبہم اور غیر فعال سی تنظیم قائم کر دی گئی۔

اس تنظیم کو پاپولیشن ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کہا جاتا ہے، یہ نام ہماری 'ثقافتی حساسیتوں' کو مدِنظر رکھتے ہوئے رکھا گیا۔ اس نام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پاکستانیوں کی فلاح و بہبود ممکن ہے خواہ تعداد میں ہم کتنے ہی زیادہ ہوں۔ پاپولیشن ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کی ویب سائٹ پر دیدہ زیب گرافکس تو موجود ہیں تاہم متعلقہ مواد موجود نہیں کیونکہ حمل کو محدود کرنے کے طریقوں سے شرم وحیا کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ انسانی نسلیں کس طرح پھیلتی ہیں یہ ایک گہرا قومی راز معلوم ہوتا ہے جسے اخفا میں رکھا جانا چاہئے۔ شاید ہم پاکستانی معاشرے کو اخلاق باختہ کر دیں گے اگر ہمیں یہ پتہ چل جائے کہ بچے کیسے عدم سے وجود میں آتے ہیں۔ خرگوش کی طرح بقائے نسل جاری رکھنا ٹھیک ہے لیکن خرگوش یہ عمل کیسے جاری رکھتے ہیں یہ جاننا ٹھیک نہیں۔

ہمارے علما کہتے ہیں کہ بنیادی جسمانی علم سے پردہ پوشی دماغوں کو صاف رکھتی ہے اور اس لئے ہمارے بچوں کی تعلیم و تربیت باقی دنیا سے بہت مختلف ہے۔ تو پھر ہمارے یہاں انٹرنیٹ پر فحش ٹریفک اتنا بڑھ گیا کہ آخر کار پی ٹی اے نے فحش سائٹوں کو بلاک کر دیا۔ نومبر 2011ء تک انٹرنیٹ کیفے ان سائٹوں پر جانے کی مرکزی جگہیں تھیں مگر پابندی کے بعد فوری طور پر یہ منہدم ہو گئیں اور ان کے مالکان برباد ہو گئے۔ تاہم سنا ہے کہ اس ممنوعہ مواد کی ترسیل کے راستے بدل گئے ہیں پر کون جانتا ہے؟

شرم وحیا بچوں کا جنسی استحصال روکنا زیادہ مشکل بنا دیتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل پی ٹی آئی کی وزیر برائے انسانی حقوق ڈاکٹر شیریں مزاری نے چائلڈ پروٹیکشن مہم کا آغاز کرتے ہوئے انکشاف کیا تھا کہ پاکستان میں سب سے زیادہ تعداد میں بچوں کی پورن دیکھنے والے پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے تجویز پیش کی تھی کہ طلبہ کو خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے اسکول کی سطح پر مہم چلائی جانی چاہئے۔

شیریں مزاری نے یقیناً بہت درست بات کہی۔ ان کی تجویز سے زیادہ بہتر طور پر بچوں کی حفاظت ممکن ہو سکتی ہے بجائے اس کے ہم بچوں کو جھوٹے جھلاتے رہیں اور ان کے قاتلوں اور جنسی شکاریوں میں اضافہ ہوتا رہے لیکن اس طرح کی تعلیمی مہموں میں بچوں کو بنیادی حیاتیاتی حقائق سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ مناسب اور نامناسب رویے کے درمیان فرق کر سکیں۔ یہ عمران خان اور شفقت محمود کی نظریاتی نگرانی میں قومی نصاب کمیٹی کی موجودگی میں کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

شرم وحیا کے سرپرستوں کو جسمانی ساخت کے عکسی خاکے شرمناک لگتے ہیں اور اپنی ذات کے تحفظ کے لیے ہر اس اسکینڈل کو دبا دیتے ہیں جن میں ان کے ملوث ہونے کا شبہ پایا جائے۔ گزشتہ ہفتے ایک مدرسے کے طالب علم کے ساتھ اس کے استاد مفتی کی جنسی ویڈیو سامنے آئی تھی، جسے جعلی نہیں کہا جا سکتا، ابتدائی تفتیش کے بعد اس مفتی کو مدرسہ انتظامیہ نے برطرف کر دیا، تو اس پر کسی عالم دین نے شرعی سزا کا مشورہ نہیں دیا اور تمام مذہبی جماعتیں بھی خاموش رہیں۔

سعودی عرب اور خلیجی ممالک دنیا کے سب سے زیادہ قدامت پسند ممالک ہوتے تھے جبکہ پاکستان زیادہ آزاد اور نرم مزاج ممالک میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہ صورتحال اب بدل گئی ہے۔ اس وقت پاکستان نہ صرف ریورس گیئر میں ہے بلکہ زیادہ تیزی سے قدامت پسندی کی جانب بڑھ رہا ہے۔ مستقبل میں پی ٹی آئی کے نصاب تعلیم کے متاثرین جتنے مجہول اور جاہل ہوں گے، اس کی ہمیں بھاری قیمت ادا کرنی ہوگی۔

(بشکریہ روزنامہ جہدوجہد)

یواے ای: پاکستانی شیعہ برادری کو بے جا طور پر نشانہ بنا رہا ہے

جبری گمشدگیاں، حراست، بلا جواز ملک بدری

بیروت، جون 22، 2021۔ ہیومن رائٹس واچ نے آج کہا ہے کہ متحدہ عرب امارات نے اکتوبر 2020 سے لے کر اب تک کم از کم چار پاکستانی شہریوں کو جبری طور پر لاپتہ اور چھ کو بغیر کسی وضاحت کے ملک بدر کیا ہے۔ ایسا بظاہر اُن کے مذہبی پس منظر کی وجہ سے کیا گیا۔ یواے ای نے چھ پاکستانیوں کو تین سے چھ ہفتوں تک جبری گمشدگی کی حالت اور حراست میں رکھنے کے بعد اکتوبر اور نومبر میں ملک بدر کیا تھا۔

تمام 10 افراد یواے ای کے شیعہ مسلمان ہیں اور ان میں سے زیادہ تر کئی برسوں سے ملک میں مقیم تھے اور وہاں مینیجر، سیلز اسٹاف، چھوٹی کاروباری صنعتوں کے چیف ایگزیکٹو آفیسر (سی ای او)، نیز مزدور اور ڈرائیور کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ایک شخص وہاں 40 برسوں سے مقیم تھا اور کام کر رہا تھا؛ دوسرا یواے ای میں ہی پیدا ہوا اور وہیں پلا بڑھا تھا۔ حکام نے حراست سے رہائی پانے والے ان افراد میں سے کسی پر بھی الزامات عائد نہیں کیے، پھر بھی انہیں ملک بدری کو چیلنج کرنے کا موقع دیے بغیر فوری طور پر ملک سے نکال دیا۔

"یواے ای کی سیکیورٹی فورسز عرصہ دراز سے محاسبے سے مکمل استثنٰی کے ساتھ لوگوں کو اٹھا کر غائب کر رہی ہیں۔ اور اٹھائے جانے والوں کے اہلِ خانہ خوف، تذبذب اور ناامیدی کا شکار ہو جاتے ہیں۔"، مشرقِ وسطٰی میں ہیومن رائٹس واچ کے ڈپٹی ڈائریکٹر مائیکل پیج نے کہا۔ "یواے ای کے حکام کا یہ غیر ذمہ دارانہ رویہ قانون کے ساتھ کھلا مذاق ہے جس کے باعث وہاں کوئی بھی فرد سنگین نوعیت کے مظالم سے محفوظ نہیں"۔

ایسا پہلی بار نہیں ہوا کہ یواے ای کے حکام نے شیعہ باشندوں کو بغیر کسی الزام کے بیجا حراست میں رکھ کر اور بلا جواز ملک بدر کرنے سمیت دیگر زیادتیاں کر کے انہیں بظاہر اپنی من مانی کاروائیوں کا نشانہ بنایا ہو۔ شیعہ باشندوں چاہے وہ لبنانی، عراقی، افغان، پاکستانی یا دیگر ملک کے شہری ہوں، کے ساتھ یواے ای کے حکام کی من مانی کاروائیوں کی اِطلاعات اکثر اُس وقت سامنے آتی ہیں جب علاقائی کشیدگیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

جبری گمشدگی اُس وقت وقوع پذیر ہوتی ہے جب کوئی ریاستی اہلکار یا حکومت کی اجازت یا معاونت سے کچھ افراد یا گروہ کسی فرد کو اس کی آزادی سے محروم کر دیں اور آزادی سے محرومی کا اعتراف کرنے سے انکار کریں یا متاثرہ فرد کی حالت یا اتا پتا کو چھپائیں۔

ہیومن رائٹس واچ نے تمام 10 افراد کے اہلِ خانہ سے رابطہ کیا تھا جنہیں یواے ای کے حکام نے ستمبر اور نومبر کے درمیان گرفتار کیا تھا، اور 2020 کے اواخر میں رہائی پانے والے ایک فرد کے خاندان سے بھی۔ ان تمام افراد کے اہلِ خانہ نے کہا کہ وہ دیگر پاکستانی شیعہ مسلمانوں کو بھی جانتے ہیں جنہیں یواے ای کی سیکیورٹی فورسز نے ستمبر کے وسط سے اٹھا رکھا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیجا طور پر حراست میں لیے گئے اور جبری طور پر گمشدہ کیے گئے افراد کی تعداد چار سے زیادہ ہوسکتی ہے۔

جبری گمشدہ ہونے والوں میں سے ایک کے رشتہ دار نے اکتوبر میں اپنے عزیز کی گمشدگی کے فوری بعد کہا، "میرا ایک سادہ سا سوال ہے"، "اگر انہیں گرفتار کیا گیا ہے تو میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان کا جرم کیا ہے۔ ان کے خلاف کوئی مقدمہ ہے تو ہم اس کا دفاع کرنے کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ لیکن جب ہم الزامات کے بارے میں ہی کچھ نہیں جانتے تو پھر ہم اپنے بیٹوں کی بے گناہی کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟"

حکام نے زیرِ حراست چار افراد میں سے صرف ایک کو اپنے خاندان کو فون کرنے کی اجازت دی، اور وہ بھی اسے چھ ماہ تک "مکمل تاریکی میں" رکھنے کے بعد، اس کے بیٹے نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر ہیومن رائٹس واچ کو بتایا۔ اس شخص کے خاندان کو ابھی تک نہیں پتا کہ حکام نے اسے کہاں اور کیوں قید میں رکھا ہوا ہے۔

ہیومن رائٹس واچ نے قیدیوں کے اہلِ خانہ کی مرتب کردہ ایک دستاویز بھی دیکھی ہے جس میں شمالی پاکستان کے علاقے پاراچنار سے تعلق رکھنے والے 27 پاکستانیوں کے نام شامل تھے جنہیں یواے ای نے ستمبر یا اکتوبر میں گرفتار کیا تھا۔ پاکستانی پارلیمان کے ایک رکن نے کہا کہ انہیں یقین ہے کہ فہرست درست ہے اور وہ ہر ایک قیدی کے خاندان سے خود ملے ہیں۔

اہلِ خانہ کا کہنا تھا کہ انہیں اپنے پیاروں کی جبری گمشدگی کا علم مختلف ذرائع سے ہوا۔ سیاہ فوجی وردی میں ملبوس مسلح ریاستی اہلکاروں نے آدھی رات کے وقت ایک گھر پر چھاپہ مار کر دو افراد کو ان کے گھر والوں کی موجودگی میں گرفتار کیا۔ ایک فرد کو اس کے دفتر سے گرفتار کیا گیا، اور اس وقت وہاں موقع پر موجود اس کے ساتھیوں نے اس کے خاندان کو بتایا کہ اماراتی لوگ آئے اور بغیر کوئی وجہ بتائے اسے پکڑ کر لے گئے۔

ایک اور شخص کے رشتہ دار نے بتایا کہ اٹھائے جانے والے شخص کے ساتھ اپارٹمنٹ میں رہنے والے اس کے دوستوں نے انہیں مطلع کیا تھا کہ وہ حسبِ معمول شام کے وقت ایک رہائشی اپارٹمنٹس کی کار پارکنگ میں اکٹھے بیٹھے تھے کہ چار افراد آئے اور اسے بغیر وجہ بتائے گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ ان میں سے تین اشخاص کو فون کالیں موصول ہوئی تھیں جن میں انہیں یواے ای کے مختلف پولیس اسٹیشنوں کو رپورٹ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ تاہم، اس کے بعد، اہلِ خانہ نے بتایا، ان کے ساتھ کسی نے رابطہ نہیں کیا۔

جبری گمشدہ ہونے والوں میں سے ایک کے رشتہ دار نے اکتوبر میں اپنے عزیز کی گمشدگی کے فوری بعد کہا، "میرا ایک سادہ سا سوال ہے"، "اگر انہیں گرفتار کیا گیا ہے تو میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان کا جرم کیا ہے۔ ان کے خلاف کوئی مقدمہ ہے تو ہم اس کا دفاع کرنے کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ لیکن جب ہم الزامات کے بارے میں ہی کچھ نہیں جانتے تو پھر ہم اپنے بیٹوں کی بے گناہی کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟"

رشتہ داروں نے بتایا کہ کئی واقعات میں حراست میں لیے گئے افراد کے پاس ان کے پاسپورٹ نہیں تھے اور یہ کہ سیکیورٹی فورسز نے ان کی تلاشی کے لیے بعد میں ان کے گھروں پر چھاپے مارے۔ بعض واقعات میں، حکام نے امیگریشن سے متعلق دیگر کاغذات اور کام کی دستاویزات اپنے قبضے میں لیں۔ زیادہ تر کے رشتہ داروں نے بتایا کہ انہوں نے کئی پولیس اسٹیشنوں، جیلوں، اور ملک بدری کے مراکز سے ان کے بارے میں دریافت کیا مگر حکام نے ان کی حراست کی جگہ اور وجہ بتانا تو در کنار ان کی گرفتاری کا اعتراف تک نہیں کیا۔

دو رشتہ داروں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے گھر کے

نزدیک واقع پولیس اسٹیشنوں میں شکایات درج کروائی تھیں مگر پولیس نے کاروائی سے انکار کر دیا تھا اور صرف یہ کہا تھا کہ وہ فون کال کا انتظار کریں۔" کون ہمیں کال کر سکتا ہے؟"، ایک رشتہ دار نے بتایا۔"ہم نہیں جانتے"۔کئی رشتہ داروں کا مؤقف تھا کہ انہوں نے یو اے ای میں پاکستانی سفارت خانے سے رابطہ کیا تھا اور سفارت کاروں کے نمائندوں نے جواب دیا تھا کہ وہ ان کے لاپتا رشتہ داروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

ہیومن رائٹس واچ نے ماضی میں زیرِ حراست رہنے والے ایک نوجوان سے اس کی ملک بدری کے بعد بات چیت کی تھی۔ وہ نومبر کے اواخر میں، دبئی میں آدھی رات کے بعد ایک پولیس اسٹیشن میں طلب کیے جانے کے بعد سے لاپتا تھا۔ حکام نے اسے تین ہفتے سے زائد عرصہ حراست میں رکھنے کے بعد چھوڑا، اور پھر فوری طور پر ملک بدر کر دیا۔ دورانِ حراست یو اے ای کی فورسز نے اسے اپنے اہلِ خانہ سے ملنے کی اجازت نہ دی، اور نہ اسے قانونی نمائندگی اور قونصلر تک رسائی کا حق دیا۔

اس نے بتایا کہ حکام نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا تھا۔ اسے ایک سے دوسرے مقام پر منتقل کرتے وقت اس کے ہاتھ باندھے گئے اور آنکھوں پر پٹی باندھی گئی، 5 اور دس گھنٹوں کے تحقیقاتی اجلاس ہوئے اور دو دن تک سونے نہ دیا گیا اور گرم کپڑے بھی فراہم نہیں کیے گئے تھے۔ اسے ایک سرد کمرے میں رکھا گیا تھا جہاں ہر وقت لائٹس آن رہتی تھی۔

رہا ہونے والے دیگر پاکستانی شیعوں کے اہلِ خانہ نے بتایا کہ ان کے رشتہ داروں پر کبھی کوئی الزام عائد نہیں کیا گیا، نہ ہی انہیں قانونی مشاورت یا قونصلر تک رسائی دی گئی اور حراست سے نکال کر فوری ملک بدر کر دیا گیا۔ وہ کئی برسوں سے یو اے ای میں مقیم تھے اور ملک سے نکالتے وقت انہیں اپنے ضروری امور نمٹانے کا موقع تک نہ دیا گیا۔ اگرچہ اہلِ خانہ کا کہنا تھا کہ انہیں ابھی تک اپنے رشتہ داروں کی حراست اور ملک بدری کی قطعی وجہ معلوم نہیں ہو سکی، مگر ان کا خیال ہے کہ ایسا مسلک کی بنیاد پر امتیازی سلوک کی بدولت ہوا ہے۔

رہا ہونے والے دیگر پاکستانی شیعوں کے اہل خانہ نے بتایا کہ ان کے رشتہ داروں پر کبھی کوئی الزام عائد نہیں کیا گیا، نہ ہی انہیں قانونی مشاورت یا قونصلر تک رسائی دی گئی اور حراست سے نکال کر فوری ملک بدر کر دیا گیا۔ وہ کئی برسوں سے یو اے ای میں مقیم تھے اور ملک سے نکالتے وقت انہیں اپنے ضروری امور نمٹانے کا موقع تک نہ دیا گیا۔ اگرچہ اہل خانہ کا کہنا تھا کہ انہیں ابھی تک اپنے رشتہ داروں کی حراست اور ملک بدری کی قطعی وجہ معلوم نہیں ہو سکی، مگر ان کا خیال ہے کہ ایسا مسلک کی بنیاد پر امتیازی سلوک کی بدولت ہوا ہے۔

پاکستانی حکام کو یو اے ای میں پاکستانی شیعہ مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی تحقیقات کرنی چاہییں، اپنے لاپتا شہریوں کا اتا پتا اور ان کی گرفتاری کی وجہ سامنے لانے کا مطالبہ کرنا چاہیے اور انہیں فوری طور پر قونصلر نمائندگی کی فراہمی کا مطالبہ بھی کرنا چاہیے۔ یو اے ای کے حکام کو ہر اس فرد کا نام، اتا پتا اور گرفتاری کی وجہ ظاہر کرنا ہوگی جنہیں انہوں نے جبری گمشدہ کیا یا سب سے الگ تھلگ حراست میں رکھا ہوا ہے۔

"یو اے ای کا دعویٰ ہے کہ وہ مذہبی آزادی اور تنوع کا احترام کرتا ہے"، پیج نے کہا۔" مگر ملک میں عرصہ دراز سے مقیم شیعہ باشندوں کی بیجا گمشدگی اور ملک بدری سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ برداشت اور احترام تمام مسالک کے لیے نہیں ہے۔"

ہیومن رائٹس واچ، نیز ڈوچے ویلے اور کئی دیگر عالمی و علاقائی ذرائع ابلاغ نے 2009 اور 2016 کے دوران یو اے ای سے سینکڑوں لبنانیوں کی بلاامتیاز ملک بدریوں کی اطلاعات دیں۔ اطلاعات کے مطابق، انہیں بغیر کسی باضابطہ کاروائی اور ملک بدری کو چیلنج کرنے کا موقع دیے بغیر ملک سے نکالا گیا تھا۔ بعض واقعات میں، اماراتی حکام نے ملک سے نکالنے کا جواز دینے سے انکار کر دیا تھا اور دیگر میں، اطلاعات کے مطابق، ملک بدر ہونے والوں پر حزب اللہ اور ایران کے ساتھ منسلک ہونے کا الزام عائد کیا تھا۔

2019 میں، ہیومن رائٹس واچ کی رپورٹ کے مطابق، اماراتی حکام نے آٹھ لبنانی شہریوں کو ایک برس تک کسی نامعلوم مقام پر بغیر کسی الزام کے قید رکھا، ان کے ساتھ برا سلوک کیا اور انہیں باضابطہ کاروائی کے حق سے محروم رکھا۔ لبنانی شہری شیعہ مسلمان تھے اور ایک عشرے سے زائد عرصے سے یو اے ای میں رہائش پذیر تھے۔ 15 مئی 2019 کو، ایک انتہائی غیر شفاف سماعت کے بعد، یو اے ای کی ایک عدالت نے ایک فرد کو ایک برس قید، دو کو 10 برس کی قید سزا سنائی اور پانچ کو رہا کر کے ملک بدر کر دیا۔

یو اے ای کے قانون ضابطہ فوجداری کے آرٹیکل 47 کی رو سے، زیرِ حراست افراد کو دو روز کے اندر پبلک پراسیکیوٹر کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے۔ البتہ، یو اے ای کے 2003 کا سٹیٹ سیکیورٹی اپریٹس لاء نے ریاستی اہلکاروں کو کسی عدالتی کاروائی کے بغیر طویل عرصے تک قیدیوں کو حراست میں رکھنے کے وسیع تر اختیارات تفویض کیے ہیں۔

سٹیٹ سیکیورٹی اپریٹس لاء کے آرٹیکل 28 کو آرٹیکل 14 کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یہ آرٹیکل ریاستی سلامتی کے نظام کے سربراہ کو اجازت دیتا ہے کہ اگر "اُس کے پاس یہ یقین کر لینے کی معقول وجوہ ہوں کہ کوئی فرد دیگر امور کے علاوہ، "ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہے جو ریاست کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔۔۔ یا قومی سلامتی کو خطرے سے دوچار کر سکتی ہیں" یا "ایسی سرگرمیاں جو معیشت کے لیے نقصان دہ ہیں"، یا کسی بھی ایسی کاروائی میں ملوث ہے جو ریاست کو نقصان سے دوچار کر سکتی ہے، اسے کمزور یا اس کے وقار کو غیر مستحکم کر سکتی ہے، ریاست کے خلاف مخالفت کو ہوا دے سکتی یا اس پر اعتماد ختم کر سکتی ہے۔" تو وہ اس فرد کو 106 روز تک قید میں رکھنے کا اختیار رکھتا ہے۔

سٹیٹ سیکیورٹی اپریٹس لاء اپنی نوعیت کے اعتبار سے عرب منشور برائے انسانی حقوق کے آرٹیکل 15 (6) کے منافی ہے جو کہتا ہے کہ " گرفتار ہونے والے ہر فرد کو فوری طور پر کسی جج کے سامنے یا عدالتی اختیار کے حامل کسی دوسرے افسر کے سامنے لایا جائے گا اور وہ فرد معقول وقت کے اندر سماعت یا رہائی کا مستحق ہوگا۔ یو اے ای نے 2006 میں منشور پر دستخط کیے تھے۔

یہ قانون لوگوں کو جبری گمشدگی کے شدید خطرے سے بھی دوچار کرتا ہے۔

عالمی قانون کی رو سے اذیت رسانی اور جبری گمشدگی کے درمیان قریبی تعلق ہوتا ہے۔ تمام افراد کو جبری گمشدگیوں سے تحفظ فراہم کرنے کے عالمی میثاق 2006 کے آرٹیکل 5 کے مطابق، "وسیع پیمانے پر اور منظم منصوبہ بندی کے ساتھ کی جانے والی جبری گمشدگی انسانیت کے خلاف جرم ہے، جیسا کہ مروجہ عالمی قانون میں بیان ہے اور اس کے نتائج اس رواج الوقت عالمی قانون کے تحت مرتب ہوں گے۔

یو اے ای میں ایک سابق قیدی کا حراست میں رہنے کا تجربہ:

اپریل میں، ہیومن رائٹس واچ نے ایک ایسے پاکستانی شیعہ سے بات چیت کی جو لگ بھگ ایک ماہ تک یو اے ای میں زیرِ حراست رہا اور پھر رہائی کے بعد دسمبر 2020 کے اواخر میں ملک بدر کر دیا گیا تھا۔

اس نے بتایا، "21 روز تک کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں"۔ اس کی آزمائش کا آغاز نومبر کی ایک رات کو

اس نے بتایا، **21" روز تک کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں"۔ اس کی آزمائش کا آغاز نومبر کی ایک رات کو اس وقت ہوا جب اسے ایک نامعلوم فون نمبر سے کال موصول ہوئی جس میں اسے بغیر کسی وجہ بتائے پولیس اسٹیشن سے رابطہ کرنے کو کہا گیا۔ پولیس اسٹیشن پہنچنے پر، پولیس اہلکار اسے اور وہاں موجود اس سے عمر میں بڑے ایک شخص کو باہر لائے جہاں ایک سیاہ کار ان کی منتظر تھی۔ مکمل طور پر سیاہ لباس میں ملبوس ایک اماراتی نے دونوں افراد کے ہاتھ باندھے، آنکھوں پر پٹی باندھی اور کار میں بیٹھنے کو کہا"، اس نے بتایا کہ کار تقریباً 15 منٹ تک چلتی رہی اور پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جو ان کے خیال میں جیل کی بارک تھی۔ اس نے کہا کہ "ایک ایسے آدمی کے لیے جو پہلی مرتبہ جیل کی بارک میں آیا تھا، وہ وقت بہت مشکل تھا"۔ "میں بہت بڑے صدمے سے دوچار تھا۔"**

اُس وقت ہوا جب اُسے ایک نامعلوم فون نمبر سے کال موصول ہوئی جس میں اسے بغیر کوئی وجہ بتائے پولیس اسٹیشن سے رابطہ کرنے کو کہا گیا۔ پولیس اسٹیشن پہنچنے پر، پولیس اہلکار اُسے اور وہاں موجود اس سے عمر میں بڑے ایک شخص کو باہر لائے جہاں ایک سیاہ کار اُن کی منتظر تھی۔ مکمل طور پر سیاہ لباس میں ملبوس ایک اماراتی نے دونوں افراد کے ہاتھ باندھے، آنکھوں پر پٹی باندھی اور کار میں بیٹھنے کو کہا"، اُس نے بتایا کہ کار تقریباً 15 منٹ تک چلتی رہی اور پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جو اُن کے خیال میں جیل کی بارک تھی۔ اس نے کہا کہ ' 'ایک ایسے آدمی کے لیے جو پہلی مرتبہ جیل کی بارک میں آیا تھا، وہ وقت بہت مشکل تھا"۔ "میں بہت بڑے صدمے سے دوچار تھا۔"

اُس نے بتایا کہ اگلی صبح اُس کی آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھی گئی، ہاتھ بھی باندھے گئے اور ایک دوسری کار میں بٹھایا گیا جو لگ بھگ ایک گھنٹہ تک چلی اور پھر ایسے مقام پر پہنچی جو بعد میں اُسے پتا چلا کہ ابوظہبی میں محکمہ فوجداری تحقیقات کا دفتر تھا۔ "مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ زمین پر کیا ہو رہا ہے، مجھے بالکل بھی کچھ پتا نہیں تھا"، اُس نے بتایا۔ "میں نے ایک ماہ قبل ہونے والی پیش رفتوں کے متعلق سن رکھا تھا، یہ کہ شیعہ افراد کو اٹھایا جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ یو اے ای اور اسرائیل کے مابین ہونے والے سمجھوتے کی بدولت تھا۔ مگر کسی نے مجھے کچھ نہ بتایا۔"

اماراتی اہلکار پھر اُسے ایک ایسی جگہ لے گئے جو ایک دفتر کی طرح نظر آ رہی تھی جس میں کافی میٹنگ رُومز تھے: "پورے دو روز تک میں اُن میٹنگ رومز میں رہا۔ میں نے کرسی پر سونے کی کوشش کی۔ وہاں ایک صوفہ بھی تھا، مگر مجھے اُس صوفے کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ بعض اوقات، بہت زیادہ تھکاوٹ کی وجہ سے میں نے فرش پہ سونے کی کوشش کی اور اپنے جوتے تکیے کے طور پر استعمال کیے۔ اگر وہ مجھے سوتا دیکھتے تو جگا دیتے۔ وہاں الماریاں نہیں تھیں، لائٹس ہر وقت آن رہتی تھیں، وقت کا پتا صرف تب ہی چلتا تھا جب کھانا آتا تھا۔ کمرہ بھی سرد تھا اور مجھے (خود کو گرم رکھنے کے لیے) کچھ نہیں دیا گیا تھا۔"

اُس نے بتایا کہ پھر اُسے اُسی عمارت کے ایک بڑے ہال میں لے جایا گیا جس میں 15 سے 16 سونے کے تختے پڑے ہوئے تھے اور دیگر قیدیوں کو بھی وہاں رکھا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ اُس کے قیام کے دوران قیدیوں کی تعداد بدلتی رہتی تھی۔ ایک وقت پر یہ تعداد 40 تک پہنچ گئی تھی۔ "مجھے اب بھی نہیں پتا کہ میں وہاں کیوں تھا، دیگر لوگ کون تھے، یا وہ کتنے عرصے سے وہاں تھے"، اُس نے بتایا۔ "محافظوں کا صرف ایک اصُول تھا: خاموش رہو، کسی سے بات نہ کرو نہ ہی کسی کی طرف دیکھو۔"

10 روز بعد ریاست کے سیکیورٹی اہلکاروں نے اُسے پوچھ گچھ کے لیے بلایا جو بقول اُس کے تقریباً 10 گھنٹوں تک جاری رہی: تحقیقات کار نے میری زندگی کے بارے میں پوچھ گچھ کی، مکمل تفصیل کے ساتھ، میرا کام، خاندان، دوست، تعلیم، سفر، رشتہ دار۔ میرا فون اُس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اُس کا جائزہ لیتا رہا، واٹس ایپ گروپس، تصاویر، اور مجھ سے سوالات کرتا رہا۔ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ میں شیعہ ہوں یا سنّی۔ "دو روز بعد، ایک اور تحقیقات کار نے تقریباً پانچ گھنٹوں تک اُس سے تحقیقات کیں، اِس بار، بقول اُس کے، توجہ کا مرکز اُس کے سفر تھے۔ اُس نے بتایا کہ تحقیقات کار نے اُس سے عربی زبان میں تحریر ایک بیان پر دستخط کروائے جس کے ذریعے اُس سے یہ وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ اپنی اِس حراست کے بارے میں کسی کو نہیں بتائے گا بصورت دیگر اُسے مقدمے کا سامنا کرے گا۔

"بارہویں دن، لوگ جانا شروع ہو گئے تھے، ہال خالی ہو رہا تھا،" اُس نے کہا۔ "چودہویں دن، بہت بڑی تعداد ہال چھوڑ چکی تھی۔ کسی کو بھی رہا کرنے سے پہلے، اُس کا کویڈ 19 کے لیے دوسرا معائنہ ہوتا، اِس طرح ہمیں معلوم ہوا کہ انہیں رہا کیا جا رہا تھا۔"

21 روز تک اس کے خاندان، قانونی مشاورت یا قونصلر کی نمائندگی کے بغیر اور اُسے پبلک پراسیکیوٹر کے سامنے پیش کیے یا اُس پر باقاعدہ الزام عائد کیے بغیر حراست میں رکھنے کے بعد، یو اے ای کی ریاستی سیکیورٹی فورسز نے اُسے بتایا کہ وہ اُسے رہا کر دیں گے۔ "مجھے امید تھی کہ مجھے گھر واپس بھیج دیا جائے گا، اُس نے بتایا۔ "مجھ سے صاف دامن کسی کا نہیں ہو سکتا تھا، میرا کبھی بھی کسی غلط کام کی وجہ سے پولیس اسٹیشن جانا نہیں ہوا تھا۔ مجھے آخر وقت تک امید رہی کہ میں گھر واپس چلا جاؤں گا۔"

اُس نے بتایا، اِس کے بجائے، ریاست کی سیکیورٹی فورسز نے اُس کے پاؤں ایک ساتھ باندھ دیے اور اُسے حراستی مرکز ی سے سیدھا ملک بدری مرکز بھیج دیا۔ چند دنوں بعد وہ اپنی گرفتاری کے بعد پہلی دفعہ اپنے خاندان کو فون کال کرنے کے قابل ہوا۔ "اور وہ فون کال صرف (اہلِ خانہ) کو رقم، میرا پاسپورٹ اور میرے کپڑے لانے کے لیے تھی کیونکہ مجھے پاکستان بھیجا جا رہا تھا۔ مجھے ملک بدر کرتے وقت اپنے ضروری معاملات نمٹانے کا موقع تک نہ دیا گیا اور میری شریکِ حیات، جو میری اسپانسرشپ کے ذریعے وہاں رہ رہی تھی، کے پاس ملک چھوڑنے کے لیے صرف ایک ماہ تھا۔"

عالمی قانون کی تفصیلات، اور ایک سابق قیدی کے ساتھ ہونے والے سلوک کا پس منظر اور تفصیلات جاننے کے لیے درج ذیل ملاحظہ کریں۔

متحدہ عرب امارات پر ہیومن رائٹس واچ کی مزید رپورٹس دیکھنے کے لیے، براہ کرم وزٹ کریں:

https://www.hrw.org/middle-east/n-africa/united-arab-emirates

عمان میں، ایڈم کوگل (انگریزی، عربی): 1475-404-646-1+ (موبائل)؛ یا cooglea@hrw.org۔ ٹویٹر: @cooglea

عمان میں، حبا زیادین (انگریزی، عربی): 8020-659-646-1+ (موبائل)؛ یا zayadih@hrw.org۔ ٹویٹر: @hzayadin

نیویارک میں، مائیکل پیج (انگریزی، عربی): 5065-630-646-1+ (موبائل)؛ یا pagem@hrw.org۔

شمالی افریقہ میں، احمد بن شمشی (انگریزی، فرانسیسی، عربی): 7973-343-929-1+ (موبائل)؛ یا benchea@hrw.org۔ ٹویٹر: @AhmedBenchemsi

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ہیومن رائٹس واچ)

خودکشی کا بڑھتا ہوا رجحان

اسرارالدین اسرار

دنیا میں ہر سال خودکشی کے دس لاکھ سے زائد واقعات رونما ہوتے ہیں۔ پاکستان میں یہ تعداد دس ہزار سالانہ کی ہے۔گلگت بلتستان کی آبادی پندرہ لاکھ ہے۔یہاں سالانہ بیس کے قریب خودکشیوں کے واقعات ہوتے ہیں۔آبادی کے حساب سے گلگت بلتستان میں خودکشیوں کی یہ شرح دنیا کے دیگر معاشروں سے مختلف نہیں ہے لیکن آپس میں رشتے داریوں میں جڑے ہوئے گلگت بلتستان کے لوگوں کے لئے ایسی خبریں ہمیشہ پریشان کن ہوتی ہیں۔ یہاں خودکشی کے ہر واقعہ کے بعد لوگ پریشانی کا اظہار کرتے ہیں۔لوگ اکثر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خودکشیوں کے اس سلسلے کو روکا جانا چاہیے۔

خودکشیوں کے ان واقعات سے متعلق فکر مند ہونا، وجوہات معلوم کرنا اور ان کے تدارک کے لئے کام کرنا ضروری ہے مگر یہ سارا کام کسی خاص طریقے سے ہی ہوسکتا ہے۔سب سے پہلے جو سوال ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا خودکشی قرار دیا جانے والا ہر واقعہ واقعی خودکشی ہے یا قتل؟ اس کے بعد کئی دیگر سوالات بھی ذہن میں آتے ہیں۔اگر یہ خودکشی ہے تو اس کی وجوہات کیا ہوسکتی ہیں؟ کیا اس واقعہ میں اہلِ خانہ یا کسی اور کا کردار تو نہیں ہے؟ کیا یہ نفسیاتی بیماری کا نتیجہ ہے؟ اگر نفسیاتی یا ذہنی بیماری کا نتیجہ ہے تو وہ بیماری کب سے تھی اور کیا اس کے علاج کی کوئی کوشش کی گئی تھی؟

اگر خودکشی کا کوئی واقعہ در پردہ قتل ہے تو تفتیش کے ذریعہ ملزمان تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اگر وہ واقعی خودکشی ہے تو ان وجوہات کو معلوم کرنا بھی کوئی ناممکن کام نہیں ہے۔اس کے لئے صرف یہ ضروری ہے کہ ہر واقعہ پر خصوصی توجہ دی جائے۔ ایسے واقعات کو مکمل روکا تو نہیں جاسکتا مگر ان کی شرح کم کی جا سکتی ہے۔جس فرد میں خودکشی کے خیالات پائے جاتے ہیں وہ اگر خودکشی کے واقعہ سے پہلے ذہنی امراض پر کام کرنے والے ماہرین تک پہنچ جائے یا پہنچایا جائے تو اس کا علاج ممکن ہے مگر جس کی علامات ظاہر نہ ہوں اور وہ اندر سے خودکشی کرنے کا فیصلہ کرلے تو اس کو روکنا ممکن اس لئے نہیں ہے کیونکہ کسی کے دل کا حال دوسرے کو نہیں معلوم ہوتا اور نہ ہی لوگ یا اہلِ خانہ ہر وقت ایک دوسرے کی رکھوالی کرسکتے ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ خودکشی کرنے والا خفیہ طور پر اس کی مکمل تیاری کرتا ہے تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ایسے میں اس کو روکنا ممکن نہیں تاہم اہلِ خانہ، رشتہ داروں اور دوست احباب میں سے کوئی ایک سمجھدار فرد ہو تو وہ حرکات وسکنات سے یہ معلوم کرسکتا ہے کہ کوئی فرد خودکشی کے خیالات رکھتا ہے اور وہ کبھی خودکشی کرسکتا ہے۔ پھر ایسے فرد کی تکلیفیں اور مشکلات پر قابو پا کر یا کونسلنگ کے ذریعہ اس کو اس صورتحال سے نکالا جاسکتا ہے۔

خودکشی کو روکنا اتنا آسان ہوتا تو دنیا کے امیر ممالک یہ کام کر چکے ہوتے۔ یہ ایک پیچیدہ سماجی مسئلہ ہے یہ کسی ویکسین یا دوائی سے رکنے والا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ انسانی سوچ سے تعلق رکھتا ہے اور انسانی سوچ کو سمجھنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔اگر خودکشی ایک فرد کا ذاتی فیصلہ ہے تو اس میں کسی اور کو سزا نہیں دی جاسکتی تاہم اگر اس میں بیرونی محرکات مثلاً تشدد، غیرت کے نام پر قتل، ذہنی اذیت دینا وغیرہ شامل ہے تو تفتیش کے ذریعہ ملزمان کی نشاندہی کرکے ان کو سزا دی جاسکتی ہے۔

خودکشی کے ہر واقعہ کی الگ الگ وجوہات ہوتی ہیں۔ایسے ہر واقعہ کی اگر پولیس اور ذمہ دار اداروں کے ماہرین پر مشتمل ٹیم غیر جانبدارانہ اور شفاف انکوائری کرے تو اصل وجوہات معلوم ہوسکتی ہیں۔

خودکشی کے ہر واقعہ کی الگ الگ وجوہات ہوتی ہیں۔ ایسے ہر واقعہ کی اگر پولیس اور ذمہ دار اداروں کے ماہرین پر مشتمل ٹیم غیر جانبدارانہ اور شفاف انکوائری کرے تو اصل وجوہات معلوم ہوسکتی ہیں۔ایسے واقعات میں سب سے پہلے ورثا پوسٹ مارٹم کرانے سے انکار کرتے ہیں پھر اگر پوسٹ مارٹم ہو بھی جائے تو اگلے مرحلے میں اس کی رپورٹ اور پولیس انکوائری پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔اس لئے جی بی کی پچھلی حکومت نے ماہرین کی تجویز پر خودکشی کے ہر واقعہ کی شفاف تحقیقات لازمی قرار دی تھیں۔

جس پر اب اور آئندہ بھی سختی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ واقعہ کی اصل وجوہات معلوم ہوسکیں۔ غیر جانبدار انکوائری اور پوسٹ مارٹم کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم ٹیم پولیس ڈیپارٹمنٹ سے اچھی شہرت اور تفتیش کے شعبہ میں مہارت رکھنے والا افسر، ایک ماہر ڈاکٹر، ایک ماہر نفسیات، ایک قانون دان اور ایک سماجی سائنسدان پر مشتمل ہو۔اگر خودکشی خاتون نے کی ہے تو ٹیم میں اکثریت خواتین ماہرین کی ہونی چاہیے تاکہ وہ ٹیم خودکشی کے واقعہ کے تمام پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لے کر اپنی رپورٹ تیار کرسکے جس کی روشنی میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکے۔

پوسٹ مارٹم کے دوران بھی غیر جانبدار اور ماہر ڈاکٹروں پر مشتمل ٹیم ہونی چاہیے جو کسی دباؤ میں آئے بغیر اصل حقائق سامنے لائیں اور ان ڈاکٹروں کے تحفظ کو بھی یقینی بنانا چاہیے۔گلگت بلتستان میں فرانزک لیب کا قیام بھی بہت ضروری ہے تاکہ موت کی وجوہات بروقت معلوم ہو سکیں۔ان تمام مراحل سے گزر کر جو میڈیکولیگل سرٹیفکیٹ جاری کیا جائے اسی کی بنیاد پر عدالت میں ملزمان کو سزاء دلائے جاسکے گی وگرنہ ہر قتل کو خودکشی کا نام دے کر اس پر پردہ ڈالنے کا عمل جاری رہے گا۔

یاد رہے کہ گلگت بلتستان میں خودکشی قرار دیا جانے والا ہر واقعہ خودکشی نہیں ہوتا۔ ان میں دس فیصد سے زائد واقعات غیرت کے نام پر قتل، گھریلو تشدد یا کسی اور وجہ سے قتل کے ہوتے ہیں۔تاہم بعض خودکشیوں کے واقعات میں بیرونی وجوہات کم بلکہ اندرونی وجوہات یعنی ذہنی یا نفسیاتی امراض کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے خودکشی کے واقعات میں متاثرہ فرد کے اہلِ خانہ کو بھی انکوائری اور تفتیش کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کیونکہ اگر وہ خودکشی واقعی کسی ذہنی بیماری کی وجہ سے ہے تو وہ معلوم ہوسکے اور تمام شکوک و شبہات بھی دور ہوسکیں۔

میڈیا سے وابستہ حضرات بھی ایسے واقعات کو تحقیقات سے قبل خودکشی لکھنے کی بجائے پر اسرار موت لکھ دیں اور انکوائری کا مطالبہ کریں تو تحقیقات میں مدد مل سکتی ہے۔گزشتہ دو دنوں میں گوجال جیسی چھوٹی آبادی میں دو خودکشیوں کے واقعات لمحہ فکریہ ہیں۔ اس کے علاوہ گزشتہ ایک مہینے میں گلگت بلتستان کے دیگر علاقوں سے بھی خودکشیوں کے کئی واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی مئی اور جون کے مہینے میں کئی خودکشیاں ہوئی ہیں۔جن میں زیادہ تر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔گلگت بلتستان کی صوبائی حکومت کو چاہیے کہ وہ اس اہم مسئلہ پر غور وخوض اور اس کے انسداد کے لئے اپنی پالیسی مرتب کرے۔

نیز ہم بارہا یہ عرض کر چکے ہیں کہ گلگت بلتستان میں نوجوانوں میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے واقعات پر ایک تفصیلی اور اعلی معیار کی جامع تحقیق کرانے کی بھی ضرورت ہے تاکہ ان وجوہات کے تدارک پر کام کیا جاسکے جن کی وجہ سے کئی خوبصورت نوجوان ایک خوشگوار زندگی گزارنے کی بجائے موت کو ترجیح دیتے ہیں اور خودکشی جیسے آخری اور خوفناک عمل کا مرتکب ہوتے ہیں۔

بائیں بازو کی تحریک کے دیرینہ کارکن حنیف گورایا بھی ہم سے بچھڑ گئے

نعیم الحسن

بائیں بازو کی تحریک کے دیرینہ کارکن اور عوامی ورکرز پارٹی کے رہنماء محمد حنیف گورایا گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ مرحوم اوپن ہارٹ سرجری کے باعث چار ماہ سے زائد عرصہ بسترِ علالت پر رہے اور پی آئی سی لاہور میں دورانِ علاج خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ حنیف گورایا اپنے عہد کے اُن کامریڈوں میں سے تھے جنہوں نے نوجوانی میں اپنی سیاسی زندگی کا آغاز نیشنل عوامی پارٹی جیسی بائیں بازو کی قوم پرست جماعت کی مزدور تحریک سے متاثر ہو کر کیا۔ نیپ کے لیبر ونگ کو اُن دنوں جب لاہور میں ایک سرگرم تنظیم سمجھا جاتا تھا، محنت کشوں کے رسالے ''ویکلی محنت کار'' کا دفتر اُس کا ایک فعال مرکز تھا۔ محنت کشوں کا یہ دفتر فین روڈ لاہور پر 70 کی دہائی میں ملکی سیاست کے حوالے سے خبروں، تبصروں، تجزیوں اور اس سے بڑھ کر سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ جہاں سے سائیکلوسٹائل مشین پر روزانہ کی بنیاد پر پریس ریلیز، خبروں اور تنظیمی اعلانات جاری کر کے انہیں اخبارات میں شائع کروانے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اپنی انقلابی سرگرمیوں کے باعث اس دفتر کو کئی موقعوں پر سی آئی ڈی اور انتظامیہ کے ہاتھوں بند بھی ہونا پڑا مگر کارکنوں کی آمد و رفت اور نظریاتی تربیت کا یہ سلسلہ اس طرح جاری رہتا۔ حنیف گورایا جیسے مخلص ہزاروں کارکن اس تنظیمی مرکز سے تربیت پا کر ملکی سیاست میں مسلسل اپنا حصہ ڈالتے رہے۔ سیاسی کارکنوں اور ترقی پسند طلبہ کی نظریاتی تربیت کے اس مرکز میں بیگم نسیم ولی خان سے لے کر قسور گردیزی اور فاروق قریشی جیسے رہنماؤں کا آنا جانا بھی لگا رہا۔ اسی ہنگامہ خیز دور میں مرحوم حنیف گورایا نے شریف متین، بابا غلام محمد ہاشمی، مہدی انور اور جامعہ ملیہ دہلی کے نیشنلسٹ سوچ رکھنے والے پروفیسر محمد سرور جیسے سینئرز کے زیرِ سایہ تربیت پا کر نظریاتی کام کا آغاز کیا۔ بائیں بازو کے اس مرکز میں انہیں نیپ کے سرکردہ ارکان ابوسعید انور، اسلم راحیل مرزا، باسط میر، امام علی نازش، آغا اختر قزلباش اور سیف خالد جیسے ترقی پسندوں کے ساتھ مل کر چھوٹے طبقے کے حقوق کی جدوجہد میں حصہ لینے کا موقع ملا۔

1970ء کے عام انتخابات کے دوران اُنہوں نے پشاور سے کراچی تک مزدوروں و کسانوں کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جگہ جگہ ہونے والے جلسے جلوسوں میں شرکت کے علاوہ ذرائع ابلاغ میں اس کی نشرواشاعت اور عوامی شعور کو بیدار رکھنے میں وہ پارٹی کے کل وقتی کارکن کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں جب نیپ پر ریاستی پابندی عائد ہوئی تو جبر و تشدد کی سیاست سے کنارہ کش ہو کر انہوں نے اُس وقت کے سب سے بڑھ کر توانا آواز لیڈر ایئر مارشل اصغر خان کی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔ نیشنل عوامی پارٹی کے بعد وہ تا دیر ایئر مارشل اصغر خان کی جماعت تحریکِ استقلال میں بطورِ مرکزی سیکرٹری انفارمیشن خدمات انجام دیتے رہے۔ حنیف گورایا نے بائیں بازو کی سوچ سے متاثر ہو کر سیاست میں حصہ لینے کا آغاز کیا اور زندگی بھر اسی وابستگی کو

لے کر آگے بڑھتے رہے۔ جہاں کہیں دوسری انتہا کے ساتھ ٹکراؤ کا موقع آیا کھل کر اس کے خلاف ڈٹ گئے اور بزورِ بازو بھی اس کو روک دینے سے دریغ نہ کیا۔ ضیاء الحق کی آمریت کے زمانے میں جب افغان وار مسلط کی جا رہی تھی، روس کے پاکستان میں سفیر ثمرنوف کے اعزاز میں لاہور میں بائیں بازوں کے کارکنوں نے فلیٹیز ہوٹل میں استقبالیہ تقریب منعقد کر رکھی تھی۔ اچانک سرکاری سرپرستی میں ایک مذہبی سیاسی جماعت کے غنڈوں نے استقبالیہ ہال پر ہلہ بول دیا، شیشے توڑ دئے گئے اور حملہ آوار سٹیج تک پہنچنے کی کوشش میں تھے کہ بقول حنیف گورایا انہوں نے ساتھیوں کے ساتھ مل کر حملہ آوروں پر کرسیاں چلا دیں اور اس طرح اپنے مہمان روسی سفیر کو ان غنڈوں کے حملے سے محفوظ رکھا۔ حنیف گوریا اپنے عمل کی طرح اپنی سوچ میں بھی ہمیشہ ایک سچے اور کھرے انسان تھے، سیاسی اجتماعات، مباحثوں اور بعد میں ٹیلیویژن کے چینلوں پر ہونے والی گفتگو میں بھی انہیں ہمیشہ عزت احترام کے ساتھ ساتھ لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے نظریات پر بات کرتے ثابت قدم پایا گیا۔ وہ ہمیشہ اجتماعی سوچ اور اس کے مفاد کے لئے جدجہد کی راہ پر گامزن رہے اور اس کے لئے انہوں نے کبھی کسی ذاتی مفاد کی پرواہ نہ کی۔ اِن دنوں جب وہ سوشلسٹ رہنما عابد حسن منٹو کی قیادت میں بننے والی عوامی ورکرز پارٹی سے وابستہ تھے اپنی خراب صحت کے باوجود کسی سیاسی و سماجی اجتماع میں شریک ہوئے بغیر نہ رہتے۔

لائی حیات آئے، قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

محنت کشوں کا یہ دفتر فین روڈ لاہور پر 70 کی دہائی میں ملکی سیاست کے حوالے سے خبروں، تبصروں، تجزیوں اور اس سے بڑھ کر سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ جہاں سے سائیکلوسٹائل مشین پر روزانہ کی بنیاد پر پریس ریلیز، خبروں اور تنظیمی اعلانات جاری کر کے انہیں اخبارات میں شائع کروانے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اپنی انقلابی سرگرمیوں کے باعث اس دفتر کو کئی موقعوں پر سی آئی ڈی اور انتظامیہ کے ہاتھوں بند بھی ہونا پڑا مگر کارکنوں کی آمد و رفت اور نظریاتی تربیت کا یہ سلسلہ اس طرح جاری رہتا۔ حنیف گورایا جیسے مخلص ہزاروں کارکن اس تنظیمی مرکز سے تربیت پا کر ملکی سیاست میں مسلسل اپنا حصہ ڈالتے رہے۔ سیاسی کارکنوں اور ترقی پسند طلبہ کی نظریاتی تربیت کے اس مرکز میں بیگم نسیم ولی خان سے لے کر قسور گردیزی اور فاروق قریشی جیسے رہنماؤں کا آنا جانا بھی لگا رہا۔ اسی ہنگامہ خیز دور میں مرحوم حنیف گورایا نے شریف متین، بابا غلام محمد ہاشمی، مہدی انور اور جامعہ ملیہ دہلی کے نیشنلسٹ سوچ رکھنے والے پروفیسر محمد سرور جیسے سینئر کے زیرِ سایہ تربیت پا کر نظریاتی کام کا آغاز کیا۔

2020 میں انسانی حقوق کی صورتِ حال افسوسناک رہی، ایچ آر سی پی

اسلام آباد ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان نے 2020ء کی سالانہ رپورٹ جاری کر دی ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان اسلام آباد چیپٹر کی کوآرڈینیٹر نسرین اظہر نے کہا ہے کہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی سالانہ رپورٹ 2020ء میں انسانی حقوق کی افسوسناک صورتحال سامنے آئی ہے۔ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق اور قومی کمیشن برائے حقوقِ نسواں جیسے اداروں کا پورا سال غیر فعال رہنا لمحہ فکریہ ہے۔ کورونا وباء پر قابو پانے کے لیے نیشنل کوآرڈینیشن کمیٹی اور نیشنل کمانڈ اینڈ آپریشن سنٹر کا قیام بھی پارلیمان یا کابینہ کی منظوری کے بغیر کیا گیا۔ صدارتی حکم نامے باقاعدہ تواتر کے ساتھ ہوتے رہے۔ اظہار اور اجتماع کی آزادی بھی خطرات میں گھری رہی۔ پسے ہوئے طبقوں کے خلاف جرائم کا افسوسناک سلسلہ بلا روک وٹوک جاری رہا۔ نیشنل پریس کلب اسلام آباد میں پیپلز پارٹی کے سینئر رہنماء فرحت اللہ بابر، ڈاکٹر ناظر محمود اور سعدیہ بخاری کے ہمراہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے نسرین اظہر نے کہا کہ کورونا کی ابتداء میں حکومت کا ردِعمل غیر شفاف اور غیر موثر تھا اور سخت لاک ڈاؤن کی اشد ضرورت کے وقت اس کے اطلاق سے گریز کیا گیا۔ ہسپتالوں میں کیسز سے نمٹنے کی استعداد ہی نہیں تھی۔ حکومت مسودہ قانون کو پارلیمان میں پیش کرنے اور اس پر مفصل بحث کرنے جیسے آئینی طریقہ کار سے انحراف کرتی رہی۔ تاہم مثبت بات یہ ہے کہ قومی اسمبلی نے انسانی حقوق کے کئی اہم قوانین منظور کیے جن میں زینب الرٹ بل، ریسپانس اینڈ ریکوری ایکٹ اور معذوری کے شکار افراد کے حقوق کا آئی سی ٹی ایکٹ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ وفاقی حکومت کے احساس پروگرام کے تحت مستحق لوگوں میں رقوم کی تقسیم بھی حوصلہ افزاء اقدام تھا۔ پسے ہوئے طبقوں جیسے کہ بچوں، عورتوں اور مذہبی اقلیتوں کے خلاف جرائم کا افسوسناک سلسلہ بلا روک وٹوک جاری رہا۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

نوجوان لڑکی کا گلا کاٹ دیا گیا

بونیر یکم جون 2021ء کو پیر بابا کے مضافاتی علاقے بلو خان درہ میں نوجوان لڑکی (ن) کا گلا کاٹ دیا گیا، اطلاع ملنے پر پیر بابا پولیس کی موبائل اور ریسکیو 1122 کی ایمبولینس جائے حادثہ پر پہنچ گئی اور مجروحہ کو فوری طور پر تحصیل ہیڈ کوارٹر اسپتال منتقل کر دیا گیا۔ اسپتال میں موجود ڈاکٹروں نے مجروحہ کو فوری طور پر طبی امداد دیکر اس کی جان بچالی۔

(نامہ نگار)

گھوٹکی کے قریب ٹرین حادثہ میں 65 افراد ہلاک

سکھر ضلع گھوٹکی کے علاقے ڈہرکی کے نزد ریتی اسٹیشن پر 7 جون کو ٹرین کی بوگیاں الٹنے سے ٹرین حادثہ پیش آیا۔

وقوعہ کیسے ہوا: 7 جون کو کراچی سے سرگودھا جانے والی ٹرین ملت ایکسپریس ریتی اسٹیشن کے قریب پہنچی تو اس کی دس نمبر بوگی سمیت پانچ بوگیاں پٹڑی سے اتر کر ڈاؤن ٹریک پر جا کر گریں اور راولپنڈی سے آنے والی سرسید ایکسپریس ان سے ٹکرا گئی جس کی انجن سمیت 7 بوگیاں گر گئیں۔ جسے 65 افراد ہلاک اور 100 سے زائد زخمی ہوئے۔

طبی امداد: طبی امداد کے لیے سب سے پہلے قریبی گاؤں کے لوگ پہنچے۔ واقع صبح 4 بج کر 43 منٹ پر پیش آیا۔ اڑھائی گھنٹے کے بعد پنو عاقل سے ایمبولینس کے ساتھ فوجی ڈاکٹر اور طبی عملہ بھی حادثہ کی جگہ پہنچا جبکہ فوری اقدامات کے لیے ملتان سے ہیلی کاپٹر بھیجے گئے۔ جائے حادثہ مرکزی شہر سے کافی دور تھا اس لیے امدادی گاڑیوں کو وہاں پہنچنے میں دشواری پیش آئی تھی۔ بیشتر زخمیوں کو ڈی ایچ کیو میرپور ماتھیلو منتقل کیا گیا اور جن کی حالت تشویشناک تھی انہیں رحیم یار خان منتقل کیا گیا۔

ڈرائیور کا بیان: سرسید احمد ایکسپریس کے ڈرائیور نے میڈیا کو بتایا کہ میں 8 بجے رات کو فیصل آباد سے ٹرین پر سوار ہوا۔ ٹرین 100 سے زائد اسپیڈ پر چل رہی تھی۔ ریتی اسٹیشن کے قریب 3 بج کر 43 منٹ پر زوردار جھٹکے لگے۔ اس نے ٹرین کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ ٹکرا گئی۔

مسافروں کے بیان: مسافر عتیق احمد، کامران انصاری و دیگر مسافروں نے میڈیا کو بتایا کہ 10 نمبر بوگی خراب تھی۔ کراچی میں مسافروں نے احتجاج بھی کیا۔ 90 منٹ تک ملت ایکسپریس کو کراچی میں روک کر بوگی کو مرمت کیا گیا۔ روہڑی میں بھی اسی بوگی سے مسئلہ درپیش آیا اور ریتی اسٹیشن کے قریب 3 بج کر 28 منٹ صبح کو بوگیاں پٹڑی سے اتر کر گر پڑیں۔ کراچی میں ملت ٹرین کے ڈرائیور نے فنی عملے کو بوگی نمبر 10 کی خرابی کے بارے میں آگاہ کیا تھا عملے نے معمولی سی مرمت کر کے ٹرین کو روانہ کروا دیا۔

ڈی ایس سکھر کا بیان: سکھر کے ڈی ایس طارق لطیف نے میڈیا کو بتایا کہ متعلقہ ادارے کو بہت سارے خط بھیج کر آگاہ کر چکا ہوں کہ ٹریک چلنے کے قابل نہیں رہا لیکن اس کے باوجود کا حل نہیں ہوا۔

ابتدائی تحقیقاتی رپورٹ: انسپکٹر فرخ تیمور نے اپنی ابتدائی تحقیقاتی رپورٹ میں ڈی ایس طارق لطیف کو سکھر کو حادثے کا ذمے دار ٹھہرایا ہے۔

جہدِ حق کے نامہ نگار کے مشاہدات: جہدِ حق کے نامہ نگار کے مشاہدات کے مطابق، محکمہ ریلوے، کراچی کا تکنیکی عملہ اور ریلوے کے افسران اس حادثے کے ذمہ دار ہیں بہت عرصہ ہوگیا ہے ٹریک کو تبدیل نہیں کیا گیا اور نہ ہی سکھر ڈویژن میں مرمت کا کام تسلی بخش ہوا ہے۔

پاکستان میں ہونے والے ٹرین کے حادثات کی تاریخ

☆ 4 جنوری 1990ء کو پاکستان کی تاریخ میں سب سے بڑا ٹرین حادثہ ہوا ضلع سکھر تحصیل پنو عاقل کی سانگی اسٹیشن پر پیش آیا تھا۔ بہاؤالدین زکریا ایکسپریس ایک گاڑی سے ٹکرا گئی، جس سے 307 افراد جاں بحق ہوئے۔

☆ 22 اکتوبر 1969 کو لیاقت پور کے قریب ٹرین حادثے میں 80 افراد جاں بحق ہوئے۔

☆ 1987 کو مورو ضلع نوشہرو فیروز کے قریب بس اور ٹرین میں تصادم ہوا جس میں 28 افراد جاں بحق ہوئے۔

☆ 8 جون 1991 کو گھوٹکی کے قریب دو ریل گاڑیوں کے تصادم میں 100 سے زائد افراد جاں بحق ہوئے۔

☆ نومبر 1992ء میں گھوٹکی ریلوے اسٹیشن کے ہی قریب ٹرین حادثے میں 54 افراد جاں بحق ہوئے۔

☆ 3 مارچ 1997ء کو خانیوال کے قریب ٹرین پٹڑی سے اترنے سے 14 افراد جاں بحق ہوئے۔

☆ 13 جولائی 2005ء کو گھوٹکی کے قریب 3 ٹرینیں آپس میں ٹکرا گئیں جس کے نتیجے میں 120 افراد جاں بحق ہوگئے۔

☆ جولائی 2013 میں خانپور کے قریب ایکسپریس ایک رکشا سے ٹکرا گئی جس سے 14 افراد جاں بحق ہوگئے۔

☆ 17 نومبر 2015ء کو بلوچستان میں آب گم کے قریب ٹرین حادثے میں 20 افراد جاں بحق ہوئے۔

☆ 29 فروری 202 روہڑی کے قریب کراچی سے لاہور جانے والی پاکستان ایکسپریس اور بس میں تصادم ہوا جس میں 22 افراد ہلاک ہوئے۔

☆ یکم نومبر 2019 کو کراچی سے راولپنڈی جانے والی ٹرین تیز گام رحیم یار خان پہنچی تو کھانے پکانے والے گیس سلنڈر پھٹنے سے 24 افراد ہلاک ہوئے۔

☆ 12 جولائی 2019ء کو کوئٹہ جانے والی اکبر ایکسپریس ایک مال گاڑی سے ٹکرائی۔ اُس حادثے میں 20 سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔

سفارشات

1۔ ٹریک کو فوری طور پر تبدیل کیا جائے۔

2۔ تکنیکی عملے کے کام کی سخت نگرانی کی جائے۔

4۔ ٹرین کے حادثے میں لاپرواہ عملے اور افسران کو فوری طور پر ہٹایا جائے۔

(شاکر جمالی)

پولیس اور مظاہرین میں تصادم کے نتیجے میں چار افراد جاں بحق

بنوں جانی خیل مظاہرین اور پولیس کے درمیان تصادم کے نتیجے میں چار مظاہرین کے جاں بحق ہونے کی اطلاعات ملی ہیں۔ تصادم کے نتیجے میں 12 پولیس اہلکار بھی زخمی ہوئے۔ مظاہرین ٹارگٹ کلنگ میں جاں بحق ملک نصیب اللہ خان کی لاش کو لے کر اسلام آباد کی طرف روانہ ہوگئے ہیں۔ مظاہرین کا راستہ روکنے کیلئے 5 ہزار پولیس اہلکار تعینات کئے گئے ہیں۔ جائے وقوعہ سے ملنے والی ویڈیوز میں پولیس اور مظاہرین کے درمیان تصادم کو دیکھا جاسکتا ہے۔ تصادم میں مبینہ طور پر پولیس کی فائرنگ سے چار افراد کے جاں بحق ہونے کی اطلاعات ہیں۔ ڈی ایچ کیو بنوں نے واقعے میں جاں بحق ایک شخص کی لاش ہسپتال لانے کی تصدیق کی ہے۔ اطلاعات کے مطابق، مظاہرین کو اسلام آباد جانے سے روکنے کیلئے پولیس کی جانب سے زونی خیل اور بنوں کے درمیان پُل کو ہر قسم آمد و رفت کیلئے بند رکھا گیا جس کے بعد مظاہرین نے اپنا راستہ بدل دیا اور بکا خیل منڈی کے ذریعے اسلام آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔ جانی خیل میں قومی مشر ملک نصیب اللہ خان کو نامعلوم افراد نے گولیوں کا نشانہ بنا کر مار دیا تھا جس کے بعد علاقہ مکینوں نے لاش کو سڑک پر رکھ کر احتجاج شروع کیا۔ مظاہرین کا مطالبہ تھا کہ واقعے میں ملوث مجرمان کو گرفتار کرکے سزا دی جائے۔ ملک نصیب اللہ جانی خیل مذاکراتی کمیٹی کے ممبر تھے اور یہ کمیٹی اُس وقت بنی جب چار بچوں کی مسخ شُدہ لاشیں قریبی قبرستان سے ملی تھیں جنہیں نامعلوم افراد نے قتل کرکے اُن کی لاشیں زمین بوس کر دی تھیں۔ بچوں کے قتل کے خلاف بعدازاں لواحقین سمیت اہلِ علاقہ نے شدید احتجاج کیا اور انصاف ملنے تک نعشوں کی تدفین سے انکار کر دیا تھا جس کے بعد صوبائی حکومت نے مظاہرین سے مذکرات کئے تھے۔

(مسعود شاہ)

دیرینہ دشمنی نے ایک اور جان لے لی

میانوالی پپلاں کے نواحی گاوں چک دو ایم ایل میں صبح سات بجے ملک محمد اعجاز اپنی سکول ٹیچر بیوی کو گرلز کمیونٹی سکول چھوڑنے گیا جب وہ سکول کے گیٹ پر پہنچے تو محمد وارث اور محمد ارشاد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ موٹر سائیکلوں پر آئے اور آتے ہی آتشیں اسلحہ سے اندھا دھند فائرنگ کر دی جس سے محمد اعجاز موقع پر قتل جبکہ اس کی بیوی راحیلہ بی بی اور ایک سات سالہ راہگیر بچی اذان شدید زخمی ہو گئیں۔ قاتل موقع واردات سے فرار ہوگئے۔ پولیس موقع پر پہنچ گئی، لاش قبضہ میں لے کر پوسٹمارٹم کیلیے روانہ کر دی اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچا دیا۔ ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر کے تفتش شروع کر دی گئی ہے۔ اس دشمنی میں چار افراد پہلے ہی قتل ہو چکے تھے۔ واقعہ یکم جون کو پیش آیا تھا۔

(محمد رفیق)

افغان بچے کی نعش کو دفنانے کی اجازت دینے سے انکار

پشاور "ہمارے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ کیسے مقامی لوگوں نے ایک معصوم بچے کی لاش کو دفنانے سے روک دیا''؟ یہ کہنا تھا افغانستان میں ڈوب کر جاں بحق ہونے والے 11 سالہ بچے کے ماموں سیدا جان کا جو پشاور کے علاقہ چمکنی میں چالیس سالوں سے رہائش پذیر ہے۔ سیدا جان نے بتایا کہ تقریباً چھ دن قبل اُن کا بھانجا افغانستان میں بارہ افراد کے ساتھ دریا میں کشتی پر سوار ہو کر چکر کاٹ رہا تھا کہ اچانک دریا کی موجوں نے کشتی اُلٹ دی اور ان کے بھانجے سمیت سب ڈوب گئے۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں اُن کے بہنوئی نے انہیں فون کے ذریعے واقعے کی اطلاع دی اور کہا کہ یہاں پر وہ لاش ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر کامیاب نہیں ہوسکے۔ سیدا جان نے مزید بتایا کہ تقریباً چھ دن بعد ریسکیو 1122 کے سوشل میڈیا پیج سے مسخ شُدہ بچے کی لاش کی تصویر جاری ہوئی مگر زیادہ دیر تک پانی میں رہنے سے اس کی شکل تبدیل ہوگئی تھی۔ سیدا جان کے مطابق ریسکیو ادارے سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ لاش کو ورسک کے مقام سے برآمد کیا گیا ہے اور لاش اسپتال میں پڑی ہوئی ہے۔ سیدا جان کا کہنا ہے "لاش قابل شناخت نہیں تھی لیکن ہمارے بھانجے کے دونوں ہاتھوں کی چھ، چھ اُنگلیاں تھی جس سے ہم نے اُس کی شناخت کر لی''۔ افغان جاں بحق بچے کی لاش کو گاؤں لایا گیا جہاں پر علاقہ مکینوں نے بچے کی لاش دفنانے کی تیاری کر لی مگر کچھ لوگوں نے لاش کو مقامی قبرستان میں دفن ہونے سے روک دیا۔ بچے کے دوسرے ماموں شیر ولی خان نے کہا کہ دریا خان قبرستان میں قبر تیار تھی، عزیز و اقارب تعزیت کیلئے آ رہے تھے لیکن گاؤں والوں نے بچے کے والد پر پاکستانی جھنڈے کی بے حُرمتی کا الزام لگا کر بچے کی نعش کو دفنانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ شیر ولی کا کہنا ہے "میں نماز ظہر میں رو رہا تھا کہ آخر ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا گیا، گاؤں والوں کے پاس جھنڈے کی بے حُرمتی کا کوئی ثبوت نہیں ہے، سوچ رہا ہوں کہ ہمارا مستقبل کیا ہوگا، ہمارا کیا بنے گا؟"۔

بچے کی لاش کو کیوں دفنانے سے روک دیا گیا؟

لاش کی تدفین کے دن سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو وائرل ہوئی جس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ ویڈیو کا مقام پشاور کے علاقہ چمکنی میں دریا خان قبرستان ہے۔ ویڈیو میں ایک شخص قبر کھودنے والے افراد اور تھانہ چمکنی کے ایس ایچ او حسن خان سے مخاطب ہو کر بچے کے والد پر پاکستانی جھنڈے کی بے حرمتی کا ذکر کر رہے ہیں۔ لاش کو دفنانے سے منع کرنے والے شخص کی پہچان ہدایت اللہ کے نام سے ہوئی۔ ہدایت اللہ سامنے کھڑے پولیس اہلکار کی وردی پر لگے جھنڈے کو چوم کر کہہ رہے ہیں کہ وہ پاکستانی پرچم کی بے حرمتی کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ویڈیو میں ہدایت اللہ بتا رہا ہے "یہ اُس شخص کا بیٹا ہے جس نے پاکستان سے نکل کر افغانستان میں پاکستان کے جھنڈے کی بے حرمتی کی تھی، یہاں پر اس کو کہیں پر بھی نہیں دفنایا جائے گا''۔ جب اس واقعے پر ہدایت اللہ سے موقف جاننے کی کوشش کی تو انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت کالام میں ہیں اور موقف نہیں دے سکتا۔ وائرل ویڈیو میں تھانہ چمکنی کا ایک اہلکار بھی مصلحت کا شکار دکھائی دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ روایات کے مطابق مردے کو آبائی گاؤں میں دفنایا جاتا ہے۔ دوسری طرف تھانہ چمکنی کے ایس ایچ او حاجی ابراہیم نے بتایا کہ واقعے میں کسی قسم کا مقدمہ درج نہیں کیا گیا اور پولیس پہنچنے سے پہلے افغانی بچے کو طورخم پر لے گئے تھے۔

بچے کو کہاں پر دفن کیا گیا؟

بچے کے ماموں نے بتایا کہ جب گاؤں والوں نے قبر کھودنے سے روک دیا تو انہوں نے بچے کی لاش کو افغانستان میں دفنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ وہ نعش کو رات کے وقت طورخم بارڈر لے گئے لیکن کسٹم حکام نے افغان قونصلیٹ پشاور سے این او سی لینے کا کہا۔ این او سی کیلئے دوبارہ پشاور آئے اور سفارت خانے سے اجازت نامہ لے کر گئے جہاں بچے کو اُن کے ماں باپ کے حوالے کرکے وہاں پر تدفین کر دی گئی۔

(مسعود شاہ)

شاہراہ کی مرمت مکمل کرنے کا مطالبہ

اوکاڑہ تحصیل دیپالپور کے دو بڑے قصبوں اور 50 سے زائد دیہات و درجنوں آبادیوں کی واحد گزرگاہ حجرہ شاہ مقیم چورستہ میاں خاں حویلی لکھا مرکزی شاہراہ کی مرمت کا منصوبہ حکام کی غفلت کے باعث 8 ماہ سے مکمل نہیں کیا جا سکا جسکی وجہ سے ٹریفک کی آمدورفت میں شدید مشکلات درپیش ہیں۔ مقامی تاجروں، سماجی شخصیات و شہریوں نے بتایا ہے کہ سڑک کئی سالوں سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر کر تباہ ہو چکی تھی جس پر عوامی احتجاج کے بعد اسکی مرمت کا منصوبہ شروع کر کے 500 میٹر حصہ پر پتھر پھینک دیا گیا جو آمدورفت میں مزید پریشانی کا سبب بن چکا ہے اور اسکے باعث دن بھر اڑنے والے گردوغبار سے اردگرد کے مکین سانس کی بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ انہوں نے وزیراعلیٰ پنجاب، چیف سیکریٹری پنجاب، کمشنر ساہیوال ڈویژن، ڈپٹی کمشنر اوکاڑہ سے مرمت میں طویل تاخیر کا فوری نوٹس لے کر سڑک کو فوری قابلِ استعمال بنانے کا مطالبہ کیا ہے۔ (اصغر حسین حماد)

سندھ میں کورونا سے 3 ہزار 360 افراد زندگی کی بازی ہار گئے

حیدرآباد ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سندھ چیپٹر نے سندھ میں جبری گمشدگیوں اور جرائم کی وارداتوں میں اضافے سمیت انسانی حقوق کی کمزور صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا اور کرونا وباء کے دوران سندھ حکومت کی جانب سے جاری کئے گئے آرڈیننس اور انتظامات پر اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سندھ چیپٹر کے وائس چیئرپرسن قاضی خضر حبیب نے حیدرآباد پریس کلب میں کونسل ممبران سعید بلوچ، پروین سومرو، سلیم جروار، ریجنل کوآرڈینیٹر ڈاکٹر امداد چانڈیو، غفرانہ آرائیں، آصف البشر، راقم الحروف لالہ عبدالحلیم شیخ اور دیگر کے ہمراہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے بتایا کہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی 2020ء کی سالانہ رپورٹ کے مطابق کورونا وباء کے سبب سندھ میں 3360 افراد زندگی کی بازی ہار گئے تاہم سندھ حکومت کی جانب سے کووڈ 19 ایمرجنسی ریلیف آرڈیننس 2020، کی منظوری اور کرونا وباء سے بچاؤ کے اقدامات قابلِ تعریف تھے لیکن کووڈ کے سبب اسٹیل مل سمیت مختلف کارخانوں اور صنعتوں سے ہزاروں مزدوروں کو بیروزگار کیا گیا۔ دوسری جانب بلدیاتی اداروں کی چار سالہ مدت 30 اگست کو پوری ہوگئی لیکن سندھ حکومت نے اب تک بلدیاتی انتخابات کا اعلان نہیں کیا جو تشویشناک امر ہے۔ اایچ آر سی پی کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 2020ء میں 121 قیدیوں کو موت کی سزا سنائی گئی لیکن اس پر عملدرآمد نہیں ہوا جو کہ حوصلہ افزاء بات ہے۔ اس سال کے دوران ایک قوم پرست جماعت پر پابندی عائد کی گئی، 127 افراد کو جبری لاپتہ کیا گیا جن میں سے 112 افراد بازیاب ہو کر گھر پہنچ گئے جبکہ 15 افراد کا اب تک پتہ نہیں ہے اور بازیاب ہو کر گھر پہنچنے والے افراد نے تشدد اور ہراسانی کی شکایات کی ہیں۔ سندھ میں تعلیم کی صورتحال بھی بہتر نہیں اور صوبائی وزیرِ تعلیم کے مطابق 35 لاکھ بچے اسکولوں سے باہر ہیں۔ سندھ میں غیرت کے نام پر 197 جرائم کی وارداتیں ہوئیں جن میں 19 مرد اور 136 عورتوں کو کاروکاری کے تحت قتل کیا گیا۔ جبری مذہب کی تبدیلی کے تقریباً نصف درجن واقعات رپورٹ ہوئے۔

(لالہ عبدالحلیم)

سول سوسائٹی اور ٹریڈ یونین نمائندوں کا اجلاس

کراچی سول سوسائٹی اور ٹریڈ یونین نمائندوں کا مشترکہ اجلاس ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کراچی کے دفتر میں منعقد ہوا جس میں بحریہ ٹاؤن کے حوالے سے پیدا شدہ صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی۔ اجلاس کے شرکاء کا اتفاق تھا کہ 6 جون کو بحریہ ٹاؤن کا گوٹھوں پر قبضہ کے خلاف دھرنا پرامن مقاصد کے لیے تھا اور اس دھرنے میں ہر زبان، نسل اور قوم کے افراد نے شریک ہو کر ظلم کا شکار مقامی آبادی سے اظہارِ یکجہتی کیا اور دھرنے کو کامیاب بنایا۔ یہ دھرنا ملیر کے مقامی غریب باشندوں کی اپنی زمینوں اور گوٹھوں پر جبری قبضے اور ان پر تجارتی مقاصد کے لئے تعمیرات کے خلاف جاری جدوجہد سے یک جہتی کے لئے منعقد کیا گیا۔ 6 جون کا یہ عوامی اجتماع پرامن تھا لیکن دھرنے کے اختتام سے پہلے اچانک توڑ پھوڑ اور جلاؤ گھیراؤ کے واقعات رونما ہوئے۔ اسی دوران دھرنے کے منتظمین ان واقعات اور اس میں ملوث عناصر سے لاتعلق ہونے کا اعلان کرتے رہے اور وہاں موجود قانون نافذ کرنے والے اداروں سے اپیل کرتے رہے کہ ان افراد کو روکا جائے اور گرفتار کیا جائے لیکن پرسرار طور پر پولیس اور بحریہ ٹاؤن کی اپنی سکیورٹی کے اہل کار مجرمانہ طور پر خاموش تماشائی بنے رہے۔ اجلاس میں اس امر پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا کہ پولیس نے دھرنے میں شامل سینکڑوں بے گناہ، پرامن سیاسی کارکنوں کو بلاجواز گرفتار کیا اور ان پر انسداد دہشت گردی کے تحت مقدمات کئے گئے ہیں جو کہ قابل مذمت ہے۔ انہیں فی الفور رہا کیا جائے اور ان پر قائم دہشت گردی کے مقدمات واپس لئے جائیں۔ یہ اجلاس جئے سندھ قومی محاذ کے چیئرمین صنعان قریشی کی رہائش گاہ پر حملے اور ان کی غیر قانونی گرفتاری کو انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور انڈیجنس رائٹس الائنس کے رہنماؤں گل حسن کلمتی، خالق جونجیو، مراد گبول، جہاز زیب کلمتی کے علاوہ جلال شاہ، زین شاہ، قادر مگسی اور دیگر رہنماؤں پر انسداد دہشت گردی کے تحت مقدمات قائم کرنے کی شدید مذمت کرتا ہے۔ یہ اجلاس بعض عوام دشمن، سندھ دشمن اور رجعت پرست قوتوں کی جانب سے بحریہ ٹاؤن میں حالیہ واقعہ کی آڑ میں نسلی، لسانی و گروہی اختلافات کو ہوا دے کر ایک بار پھر سندھ کو کشت و خون میں دھکیلنے کی کڑی مذمت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ ایک خطرناک رجحان ہے۔ یہ اجلاس سمجھتا ہے کہ ایک منصوبہ بند سازش کے تحت حقوق کی جنگ لڑنے والوں پر پرامن سیاسی جدوجہد کے دروازے بند کیے جا رہے ہیں جس کا منطقی نتیجہ سماج میں مزید گھٹن اور انتشار کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے۔ آج کا یہ اجلاس وسائل، زمینوں اور گوٹھوں کو بچانے کی جدوجہد کرنے والوں کی مکمل حمایت اور ان سے اظہارِ یک جہتی کا علان کرتا ہے اور اس عہد کا اعادہ کرتا ہے کہ اس میں شریک تنظیمیں اور افراد قبضہ مافیہ کے خلاف آواز بلند کرتے رہیں گے۔ (نامہ نگار)

خاتون جاں بحق

اوستہ محمد 30 سالہ مسماۃ زلیخاں زوجہ عبدالحکیم قوم لاشاری دورانِ آپریشن فوت ہوگئی۔ زلیخاں کے والد رحمت اللہ لاشاری اور والدہ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیئے تحصیل ہیڈکوارٹر سول اسپتال لائے جہاں پر انہوں نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ چند روز قبل وہ اپنی بیٹی زلیخاں زوجہ عبدالحکیم قوم لاشاری جو کہ بیمار تھیں کو علاج معالجے کی غرض سے لیڈی ڈاکٹر مریم صاحبہ کے پاس لائے جس نے دو تین دن کی دوائی دی پھر واپس لانے کا کہا۔ آج صبح جب وہ دوبارہ آئے تو ڈاکٹر مریم صاحبہ نے کہا کہ "70 ہزار روپے دو کیونکہ مریضہ کا آپریشن کرنا ہے"۔ ہم نے بڑی مشکل سے 70 ہزار روپے کا بندوبست کیا مگر دو گھنٹے کے بعد ڈاکٹر صاحبہ نے ہماری بیٹی کی لاش ہمیں تھما دی اور 70 ہزار روپے بھی واپس دینے لگی مگر ہم نے پیسے واپس نہیں لیے۔ پیسے واپس دینے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ کی غفلت سے ہماری بیٹی کی موت واقع ہوئی۔ "ہماری بیٹی کو لیڈی ڈاکٹر مریم صاحبہ نے مارا ہے"۔ جبکہ تحصیل ہیڈ کوارٹر اسپتال کے لیڈی ڈاکٹر نے یہ کہہ کر پوسٹ مارٹم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ پولیس سرجن نہیں ہے اور لاش ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر اسپتال ڈیرہ اللہ یار لے جانے کے لیے کہا جس پر ورثاء نے شدید مایوسی اور دکھ کا اظہار کیا۔ (محمد فاروق مینگل)

دوخواتین سمیت پانچ افراد کا 'غیرت' کے نام پر قتل

خیبر ضلع خیبر کے دورافتادہ علاقے تیراہ میں رواں مہینے دومختلف واقعات میں دوخواتین سمیت پانچ افراد کو غیرت کے نام پر قتل کر دیا گیا اور ضلع کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ ایسے واقعات کے باقاعدہ مقدمات درج کئے گئے ہیں جس کو کارکنان فاٹا انضمام کے ثمرات گردانتے ہیں۔ تیراہ میں پیش آنے والے حالیہ واقعات میں مئی کے پہلے ہفتے میں ایک خاتون اور سکول کے دو اساتذہ کو اس بنا پر قتل کر دیا گیا کہ ان کے آپس میں ناجائز تعلقات تھے۔ تیراہ کے علاقے ملک دین خیل میں دوسرا واقعہ مئی کے آخری عشرے میں پیش آیا جس میں چھ بچوں کے باپ گلاب شیر کو چالیس سالہ خاتون کے ساتھ بدنام کر کے قتل کر دیا گیا۔ مقتولہ کے بھی دو بچے ہیں اور علاقہ کے چند افراد کا کہنا ہے کہ قتل ہونے والی خاتون کی اپنے چچازاد سے شادی ہوئی تھی اور طلاق کے بعد اپنے والدین کے گھر میں رہائش پذیر تھی اور مرنے والا شخص ان کا رشتہ دار تھا۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ جس شخص کو قتل کیا گیا ہے اس کا مقتولہ خاتون کے گھر والوں سے ایک مکان پر تنازعہ چل رہا تھا اور واقعے کو غیرت کا رنگ دیا گیا ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ دونوں واقعات کی انہوں نے خود ایف آئی آر درج کی ہیں اور ایک ملزم سمیت کئی سہولت کاروں کو گرفتار بھی کیا ہے۔ سماجی کارکن دولت خان آفریدی کا کہنا ہے کہ قبائلی اضلاع میں پہلے بھی اس طرح کے واقعات ہوتے تھے اور مقامی لوگوں کو پتہ بھی چل جاتا تھا لیکن چونکہ قبائلی اضلاع میں ایف سی آر کا قانون رائج تھا تو جرگے ہو جاتے تھے اور معاملہ رفع دفع ہو جاتا تھا لیکن اب انضمام کے بعد ایسے واقعات پوری دنیا کے سامنے آرہے ہیں اور پولیس بھی اپنا کام کر رہی ہے۔ ضلع اورکزئی سے تعلق رکھنے والی نوشین فاطمہ بھی ایک سماجی ورکر ہے اور خواتین کے حقوق کے لیے کام کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ غیرت کے نام پر خواتین کا قتل صرف قبائلی اضلاع کا نہیں بلکہ پورے ملک کا مسئلہ ہے۔ ٹی این این کے ساتھ بات چیت کے دوران انہوں نے بتایا کہ بدقسمتی سے پہلے تو پختون غیرت کے نام پر قتل کو قتل ہی نہیں مانتے تھے اور ان قتال کو لوگوں نے اپنی مفادات کے لیے استعمال کیا۔
نوشین فاطمہ نے بتایا۔

انہوں نے کہا کہ عرصہ دراز سے قبائلی اضلاع میں خواتین کو غیرت کے نام پر قتل کیا جا رہا ہے اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ان واقعات میں غیرت کا بھی کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور لوگ اس کو ویسے ہی غیرت کا نام دیے دیتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ کسی کی دشمنی ہوتی تھی تو باہر جا کر اپنے دشمن اور گھر میں کسی خاتون کو قتل کر دیتا تھا اور اس کو غیرت کا نام دے دیتا تھا اور روایات بھی ایسی ہوتی ہے پختونوں کی کہ پھر اس پہ کوئی بات بھی نہیں کر سکتا تھا، نوشین فاطمہ نے کہا۔

2010 سے 2019 کے دوران صرف خیبر پختونخوا میں 475 خواتین اور 361 مردوں کو غیرت کے نام پر قتل کیا گیا ہے۔ پولیس کے مطابق اپر دیر میں 76، صوابی میں 66، پشاور میں 53 اور سوات میں 44 خواتین کو غیرت کے نام پر قتل کیا گیا۔ نوشین فاطمہ نے بتایا کہ وہ ہمیشہ سے انضمام کی حامی رہی ہے کیونکہ وہ بات کو جانتی ہے کہ دیر سے ہی صحیح لیکن انضمام کے ثمرات سے قبائلی عوام مستفید ہونگے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ اب قبائلی اضلاع میں پولیس ہے عدالتیں اپنا کام کر رہی ہے اور اب اگر کہیں پہ غیرت کے نام پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے تو اس کی ایف آئی آر درج ہوتی ہے اور ملک کے دیگر حصوں کے لوگوں کو بھی پتہ چل جاتا ہے کہ قبائلی اضلاع میں کیا ہو رہا ہے۔ نوشین فاطمہ کے مطابق اب بھی غیرت کے نام پر قتل ہونے والی خواتین کے حوالے سے ایف آئی آر بہت کم ہوتے ہیں لیکن یہ بات خوش آئند ہے کہ کم ہی صحیح لیکن رپورٹ تو ہو رہی ہے کم از کم اس کو جرم تو مانا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک کمی یہ بھی ہے کہ ملزم تو پکڑے جاتے ہیں لیکن پھر ان کے مقدموں کی پیروی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تو پھر وہ ملزمان رہا ہو جاتے ہیں۔ نوشین فاطمہ کا کہنا ہے کہ اس ضمن میں حکومت کو چاہیئے کہ وہ غیرت کے نام پر قتل ہونے والی خواتین کے قتل کیسز کی پیروی خود کریں تا کہ ملزمان کو سزا ہو اور آئندہ کوئی بھی کسی کو غیرت کے نام پر قتل کرنے سے پہلے سو بار سوچے۔ نوشین فاطمہ کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے دولت خان آفریدی نے بتایا کہ قبائلی اضلاع میں کئی ایسے واقعات سامنے آئے ہیں کہ جس میں مخالفین نے دشمن کو قتل کرنے کے بعد گھر کی کسی خاتون کو بھی قتل کر دیا ہو اور پھر اس کو غیرت کا نام دیا ہوتا کہ ان سے بدلہ نہ لیا جا سکے اور اس آڑ میں وہ اپنا کام بھی کر لے لیکن اب انضمام کے بعد ایسے واقعات میں کمی ہے کیونکہ اب قبائلی اضلاع میں قانون کی عملداری ہے اور لوگ ڈرتے ہیں کہ اگر اس طرح کچھ کریں گے تو قانون کی گرفت میں آئیں گے۔ دوسری جانب ایس ایچ او تھانہ تیراہ شمشاد کا کہنا ہے کہ فاٹا انضمام اور پولیس کا نظام آنے کے بعد انہوں نے اپنا کام شروع کیا ہے اور جہاں کہیں بھی اس طرح کے واقعات ہوتے ہیں اس کے خلاف ایکشن لیا جاتا ہے۔ ٹی این این کے ساتھ بات چیت انہوں نے بتایا کہ تیراہ میں کچھ روز قبل ایک مرد اور ایک خاتون کو قتل کیا گیا ہے اس واقعے کی نہ صرف انہوں نے ایف آئی آر درج کی ہے بلکہ حضرت محمد نامی ایک شخص کو گرفتار بھی کیا ہے جو خاتون کا رشتہ دار ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قبائلی عوام نے ایک لمبا عرصہ ایف سی آر کے تحت گزارا ہے تو عام طور پر یہ لوگ ایسے واقعات کی ایف آر درج نہیں کرواتے تاہم وہ خود ایسے واقعات کی ایف آئی آر درج کرتے ہیں اور ملزمان کی گرفتاری کے لیے بھی جگہ جگہ چھاپے مارتے ہیں لیکن اس معاملے میں ان کو عوام کے تعاون کی اشد ضرورت ہے تا کہ ایسے واقعات کی روک تھام ہو سکے۔

(منظور آفریدی)

دیرینہ دشمنی پر 53 سالہ شخص قتل

لکی مروت لکی مروت کے نواحی علاقے پہاڑ خیل تھل میں 53 سالہ شخص کو دیرینہ عداوت پر فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ ثناء اللہ اور ان کا بیٹا محمد سیاب کچہری میں کام سے فراغت کے بعد الگ الگ موٹر سائیکلوں پر گاؤں جا رہے تھے کہ راستے میں ملزمان شریف اللہ اور نور علی نے فائرنگ کر دی جس سے ثناء اللہ موقع پر جاں بحق ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ گورنمنٹ سٹی اسپتال میں پوسٹ مارٹم کے بعد لاش تدفین کے لئے ورثاء کے حوالے کر دی گئی۔ وقوعہ 27 مئی کو پیش آیا تھا۔

(محمد ظاہر شاہ)

بدامنی کیخلاف احتجاجی مظاہرہ

چمن حاجی بخت محلّہ میں ڈاکوؤں کی طرف سے موٹر سائیکل چھیننے کی واردات میں ڈاکوؤں کی فائرنگ سے شہری جان بحق اور الیاس نامی شہری شدید زخمی ہو گیا۔ لواحقین نے ڈاکوؤں کے ہاتھوں مقامی نوجوان کی ہلاکت کے خلاف ڈپٹی کمشنر دفتر کے سامنے احتجاج کیا۔ مظاہرین نے علاقے میں بڑھتے عدم تحفظ کے خلاف نعرے بازی کی اور سیکیورٹی ایجنسیوں سے قاتلوں کو گرفتار کرنے اور انہیں سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ دوسری طرف مقامی حکام اور سیکیورٹی فورسز کا کہنا ہے کہ وہ امن عامہ کی صورتحال کو بہتر بنانے کے لئے اقدامات کر رہے ہیں۔

(محمد صدیق مدنی)

یوسیز کو ملنے والا فنڈ کہاں جا رہا ہے؟

حیدرآباد حیدرآباد کے تینوں تعلقوں سٹی، لطیف آباد اور قاسم آباد کی یوسیز کو ہر ماہ ملنے والے پانچ لاکھ روپے کہاں جا رہے ہیں؟ یوسیز میں تو کوئی کام نہیں ہو رہا۔ یوسی سیکرٹریز اپنے دفاتر سے غائب ہوتے ہیں۔ چیئرمین سسٹم ختم ہوئے عرصہ گزر گیا لیکن یوسیز سیکریٹریز نے یوسیز میں کوئی کام نہیں کرایا۔ عوام چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے یوسی دفاتر کے چکر لگا رہے ہیں لیکن یوسی سیکریٹریز کا کچھ پتہ نہیں۔ پانچ لاکھ روپے ماہانہ حکومت سے ملنے کے بعد بھی حیدرآباد سٹی، لطیف آباد اور قاسم آباد کے شہریوں سے سرٹیفکیٹس کے نام پر ہزاروں روپے مانگے جا رہے ہیں۔ صفائی ستھرائی کی صورتحال بدتر ہو چکی ہے۔ شہریوں نے کہا ہے کہ ڈپٹی کمشنر حیدرآباد اور اسسٹنٹ کمشنرز صورتحال کا فوری نوٹس لیتے ہوئے یوسی سیکریٹریز سے باز پرس کریں اور عوام کے مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرائیں۔

(لالہ عبدالحلیم)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت		بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

Monthly JEHD-E-HAQ

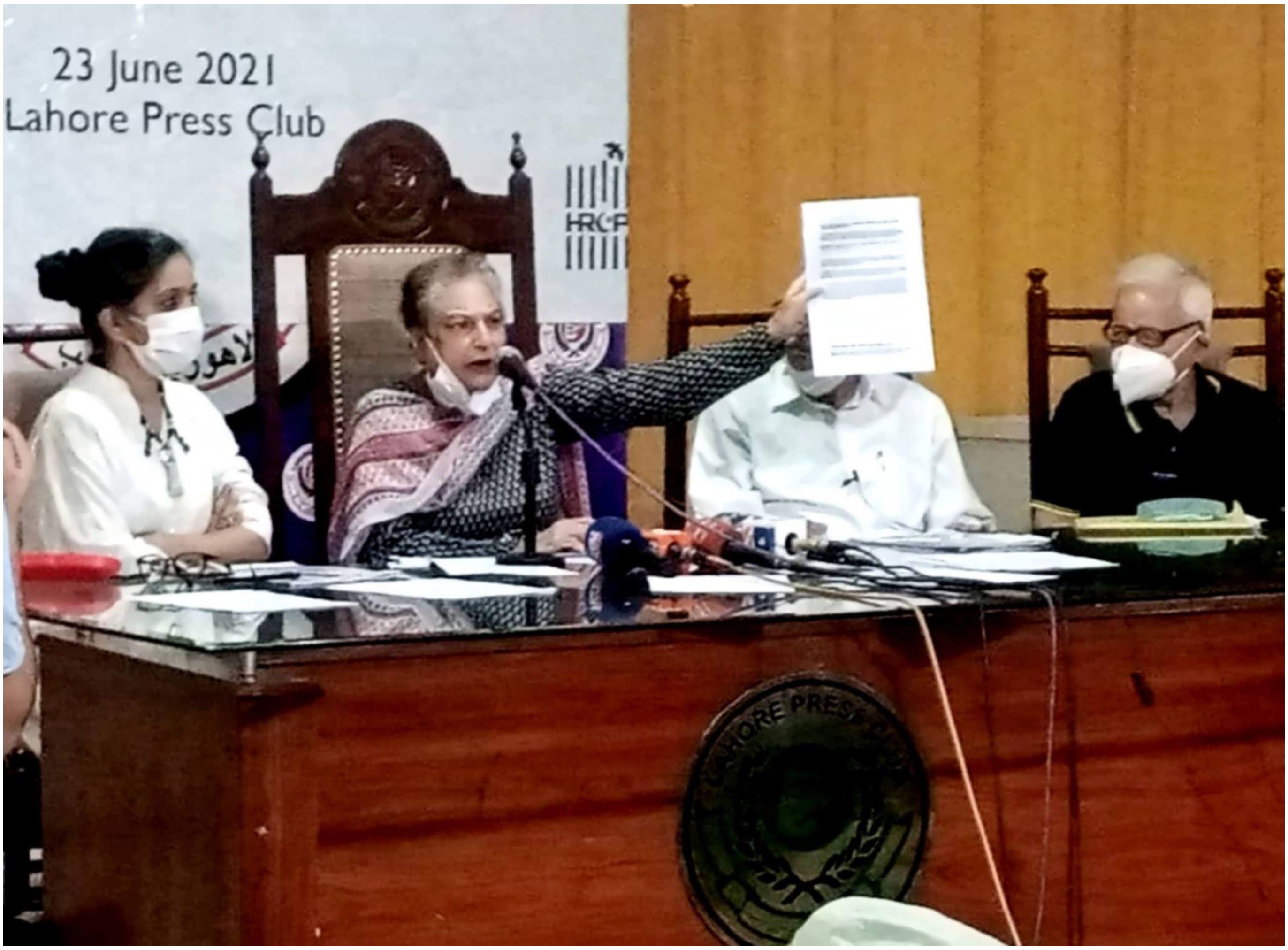

23 جون، لاہور: ایچ آر سی پی کی چیئر پرسن حنا جیلانی کمیشن کے دیگر عہدیداران کے ہمراہ پنجاب میں انسانی حقوق کی صورتِ حال پر روشنی ڈالتے ہوئے

ایچ آر سی پی کے اراکین متوجہ ہوں:

ایچ آر سی پی کے جن اراکین نے سال 2021 کے لیے اپنی واجب الادا فیس جمع نہیں کروائی اُن سے جلد از جلد فیس جمع کروانے کی درخواست کی جاتی ہے

براہ کرم، اس مقصد کے لیے اپنے متعلقہ ریجنل دفتر یا مرکزی دفتر رابطہ کریں

اظہارِ لاتعلقی: براہِ مہربانی نوٹ کرلیں کہ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) کا جہدِ حق کے مَتن سے مُتفق ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا، جہدِ حق میں شامل مواد و خیالات کی ذِمہ داری کسی طور پر بھی ایف این ایف پر عائد نہیں کی جاسکتی۔

اظہارِ تشکّر: جہدِ حق کی اشاعت کے لیے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) نے مالی معاونت کی ہے جس کے لیے ایچ آر سی پی، ایف این ایف کا انتہائی مشکور ہے۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15